سلسلہ : رسائلِ فتاوٰی رضویہ

جلد : دوسری

رسالہ نمبر 7

(رسالہ ضمنیہ) ۱۳۳۴ھ

عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی

بچے کے حاصل کردہ پانی کے احکام کے متعلق

نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عطیہ

پیشکش : مجلسِ آئی ٹی (دعوتِ اسلامی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(رسالہ ضمنیہ) عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی ۱۳۳۴ھ

(بچے کے حاصل کردہ پانی کے احکام کے متعلق نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عطیہ)

(۳۲ تا ۴۸) نابالغ [۲] کا بھرا ہوا پانی یہ مسئلہ بہت طویل الذیل وکثیر الشقوق ہے کتابوں میں اس کی تفصیل تام درکنار بہت صورتوں کا ذکر بھی نہیں فقیر بتوفیق القدیر اُمید کرتا ہے کہ اُس میں کلام شافی وکافی ذکر کرے **فاقول وباللہ التوفیق** پانی تین قسم ہیں ا مباح غیر مملوک ۲ مملوک غیر مباح ۳ مباح مملوک

اول: دریاؤں نہروں کے پانی تالاب جھیلوں ڈبروں کے برساتی پانی مملوک کنویں کا پانی کہ وہ بھی جب تک بھرا نہ جائے کسی کی مِلک نہیں ہوتا جس کی تحقیق ابھی گزری مساجد وغیرہا کے حوضوں سقایوں کا پانی کہ مالِ وقف سے بھرا گیا اس کا بیان بھی گزرا یہ سب پانی مباح ہیں اور کسی کی مِلک نہیں۔

دوم: برتنوں کا پانی کہ آدمی نے اپنے گھر کے خرچ کو بھرایا بھروا کر رکھا وہ خاص اس کی مِلک ہے۔بے اس کی

اجازت کے کسی کو اس میں تصرف جائز نہیں۔

سوم: سبیل یا سقایہ کا پانی کہ کسی نے خود بھرا یا اپنے مال سے بھروایا بہر حال اس کی مِلک ہو اور اس نے لوگوں کیلئے اس کا استعمال مباح کردیا وہ بعد اباحت بھی اُسی کی مِلک رہتا ہے یہ پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی۔ ظاہر ہے کہ قسم اخیر کا پانی بالغ بھرے یا نابالغ کچھ تفاوت احکام نہ ہوگا کہ لینے والا اس کا مالک ہی نہیں ہوتا۔ یوں ہی قسم دوم میں جبکہ مالک نے اسے بطور اباحت دیا ہاں اگر مالک کیا تو اب فرق احکام آئے گا اور اگر بے اجازت مالک لیا یا دونوں قسم اخیر میں مالک بوجہ صغر یا جنون اجازت دینے کے قابل نہ تھا تو وہ آب مغصوب ہے۔ زیادہ تفصیل طلب اور یہاں مقصود بالبحث قسم اوّل ہے اس کیلئے

تنقیح اول: (۱) ان اصول پر نظر لازم جو اموال مباحہ جیسے آبِ مذکور یا جنگل کی خود رو گھاس پیڑ پھل پھول وغیرہا پر حصول مِلک کیلئے ہیں کتب میں اس کے جزئیات میں متفرق طور پر مذکور ہوئے جن سے نظر حاضر ایک ضابطہ تک پہنچنے کی امید رکھتی ہے واللہ الھادی۔

فاقول: وبہ استعین یہ تو ظاہر ہے کہ مباح[۲] چیز احراز واستیلا سے مِلک ہو جاتی ہے اول بار جس کا ہاتھ اُس پر پہنچا اور اس نے اپنے قبضے میں کرلیا اُسی کی مِلک ہو جائیگی مگر یہ قبضہ کبھی دوسرے کی طرف منتقل ہوتا اور اُس کا قبضہ ٹھہرتا ہے اس کی تفصیل یہ[۳] ہے کہ مال مباح کا لینے والا دو حال سے خالی نہیں اُس[۱] شے کو اپنے لئے لے گا یا دُوسرے کیلئے۔ بر تقدیر ثانی بطور خود یا اس سے کہے سے۔ بر تقدیر ثانی بلا معاوضہ[۳] یا باجرت بر تقدیر ثانی اُس دوسرے کا اجیر[۴] مطلق ہے جیسے خدمتگار یا خاص اسی مباح کی تحصیل کیلئے اجیر کیا بر تقدیر ثانی اجارہ[۵] وقت معین پر ہوا مثلاً آج صبح سے دوپہر تک یا بلا تعین بر تقدیر ثانی وہ شے مباح[۶] متعین کردی تھی۔ مثلاً یہ خاص درخت یا یہاں سے یہاں تک کہ یہ دس پیڑ یا اس قطعہ مخصوصہ کا سبزہ یا اس حوض کا سارا پانی یا یہ تعیین بھی نہ تھی بر تقدیر ثانی اجیر[۷] قبول کرتا ہے کہ یہ شے میں نے مستاجر کیلئے لی یا نہیں بر تقدیر ثانی اگر اس شے کا احراز مثلاً کسی ظرف میں ہوتا ہو تو وہ ظرف[۸] مستاجر کا تھا یا نہیں، یہ نو[۹] صورتیں ہُوئیں۔ ان میں صورت اولیٰ میں تو ظاہر ہے کہ وہ شے اُسی قبضہ کرنے والے کی مِلک ہوگی دوسرے کو اس سے علاقہ ہی نہیں، یوں ہی صورت دوم میں بھی کہ شرع مطہر نے سبب مِلک استیلا رکھا ہے وہ اس کا ہے دوسرے کیلئے محض نیت اس ملک کو منتقل نہ کردے گی۔ فتح القدیر میں ہے:

لوقیل علیہ ھذا اذا استولی علیہ بقصدہ لنفسہ فاما اذا قصد ذلك لغیرہ فلم لایکون للغیر یجاب بان اطلاق نحو قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الناس	اگر اس پر کہا جائے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس پر استیلاء کیا اور قصد اپنے نفس کے لئے کیا، اور اگر کسی دوسرے کیلئے اس کا ارادہ کیا، تو یہ غیر کیلئے کیوں نہ ہوگا، اس کا یہ جواب ہے کہ حضور

شرکاء فی ثلاث لایفرق بین قصد وقصد [1] اھ۔ وکتبت علیہ۔ **اقول:** الاحراز سبب الملك وقدتم لہ فملك ولا ینتقل لغیرہ بمجرد القصد کمن شری غیر مضاف الٰی زید ونیتہ انہ یشتریہ لزید لم یکن لزید۔	صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں" ایک قصد اور دوسرے قصد میں فرق نہیں کرتا ہے اھ اس پر میں نے لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں حاصل کرلینا اسبابِ ملک میں سے ہے اور ملک اس کیلئے تام ہوچکی ہے اور وہ مالک ہوگیا اور یہ ملک دوسرے کی طرف محض قصد کی وجہ سے منتقل نہ ہوگی، جیسے کوئی شخص کوئی چیز خریدے اور اس کو زید کی طرف مضاف نہ کرے اور نیت یہ ہو کہ وہ زید کیلئے ہے، تو وہ زید کیلئے نہ ہوگی۔ (ت)

اسی طرح صورتِ سوم میں بھی کہ تحصیل' مباح کیلئے دوسرے کو اپنا نائب و وکیل وخادم و معین بنانا باطل ہے در مختار کتاب الشرکۃ فصل شرکت فاسدہ میں ہے:

التوکیل فی اخذ المباح لایصح [2]۔	مباح چیز کو لانے کیلئے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ (ت)

جامع الصغار فصل کراہیت میں ہے:

الاستخدام فی الاعیان المباحۃ باطل [3]۔	اعیان مباحہ میں استخدام باطل ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الشرع جعل سبب ملك المباح سبق الید الیہ فاذا وکلہ بہ فاستولی علیہ سبق ملکہ لہ ملك الموکل [4]۔	شریعت نے مباح اشیاء میں مِلک کا سبب سبقت ید کو بتایا ہے، توجب کسی نے اس پر کسی کو وکیل بنایا اور اس نے اس پر استیلاء حاصل کرلیا موکل کی مِلک اس پر ثابت ہوجائیگی تو وکیل مالک ہوجائیگا۔ (ت)

ہندیہ اجارات باب ۱۶ میں قنیہ سے ہے:

---

[1] فتح القدیر فصل فی شرکۃ فاسدہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۱۰

[2] الدرالمختار شرکۃ فاسدہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۴

[3] جامع احکام الصغار مع جامع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷

[4] فتح القدیر فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ سکھر ۵/ ۴۱۰

قال(۱)نصیر(هو ابن یحیی)قلت(ای للامام ابی سلیمٰن الجوزجانی رحمهما الله تعالٰی)فان استعان بانسان یحتطب ویصطاد له(ای من دون اجر)قال الحطب والصید للعامل وكذا ضربة القانص قال استاذنا(وهو البدیع استاذ الزاهدی)وینبغی ان یحفظ هذا فقد ابتلی به العامة والخاصة یستعینون بالناس فی الاحتطاب والاحتشاش وقطع الشوك والحاج عـــه واتخاذ المجمدة فیثبت الملك للاعوان فیها ولا یعلم الكل بها فینفقونها قبل الاستیهاب بطریقه اوالاذن فیجب علیهم مثلها اوقیمتها وهم لایشعرون لجهلهم وغفلتهم اعاذنا الله عن الجهل ووفقنا للعلم

نصیر (ابن یحیٰی نے) کہا، میں نے کہا (یعنی امام ابو سلیمان الجوزجانی کو) اگر کسی شخص نے لکڑیاں جمع کرنے یا شکار کرنے کیلئے دوسرے شخص کی مدد حاصل کی (یعنی بلا اجر) فرمایا اس صورت میں لکڑیاں اور شکار اُسی کا ہے جس نے کیا ہو، اور اسی طرح شکاری کا ایک مرتبہ جال ڈال کر شکار نکالنا، ہمارے استاذ نے فرمایا (یعنی بدیع استاذ الزاہدی) اور اسے یاد کرلینا چاہئے کیونکہ اس میں ہر عام وخاص مبتلا ہے، لوگ دوسروں سے لکڑیاں جمع کرانے، کانٹے اکٹھے کرانے اور گھاس جمع کرانے میں مدد لیتے ہیں، اسی طرح ایک قسم کا درخت منگواتے ہیں یا آسانی برف جمع کراتے ہیں، توجو لوگ عملاً یہ کام کرتے ہیں ان پر انہی لوگوں کی مِلک ثابت ہوجائے گی، لوگ یہ مسئلہ نہیں جانتے، وہ ان لوگوں سے نہ تو اجازت

عـــه: الحاج باهمال اوله واعجام اٰخره جمع حاجة وهی الشوك وقیل نبت من الحمص وقال ابن سیده ضرب من الشوك وقیل شجر وقال ابو حنیفة الدینوری الحاج مماتدوم خضرته وتذهب عروقه فی الارض بعیدا یتداوی بطبیخه وله ورق دقاق طوال كانه مساو للشوك فی الكثرة اهـ من تاج العروس ۱۲ منه غفرله۔(م)

اِلحاج، حاءِ مہملہ اور جیم کے ساتھ، جمع حاجہ کی ہے، کانٹوں کو کہتے ہیں، ایک قول کے مطابق ترش گھاس ہے۔ ابن سیدہ کے مطابق کانٹوں کی ایک قسم ہے۔ ایک قول کے مطابق درخت ہے۔ اور ابو حنیفہ الدینوری نے فرمایا یہ ایسا درخت ہے جو سدا بہار رہتا ہے اور اُس کی جڑیں زمین میں دور تک چلی جاتی ہیں اس کو ابال کر دوا کے کام میں لایا جاتا ہے، اس کے پتّے باریک اور لمبے ہوتے ہیں اور کانٹوں کی طرح زیادہ ہوتے ہیں اھ تاج العروس ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

والعمل[5] اھ **اقول:** وقوله لایعلم الکل بھا اشارۃ الی الجواب عن سؤال وھم انھم اذا اتوا بہ الی المستعین واعطوہ واخذ کان ھبۃ بالتعاطی فاجاب بانہ ھذا یکون لوعلموا ان الملك قدثبت للاعوان فیکون الاعطاء والاخذ ایجاب الھبۃ وقبولھا لکنھم جمیعا عنہ غافلون وانما یحسبون المعونۃ فی کفایۃ المؤنۃ کمن ارسل احدا الی دارہ لیحمل منھا کرسیا مثلا یاتیہ بہ۔ **اقول:** ھو کما قال لکن(۱)الاذن ثابت لاشك وھم انما ینوون الاخذ لہ ولا یؤدونہ الیہ الا لیتصرف فیہ ولا غصب منہ حتی یجب الضمان۔ **فانقلت** لایحسبون انفسھم ملاکہ وھو یاخذہ بجعل نفسہ کانہ ھو المستولی علیہ بدء فیتصرف فیہ علی انہ ملکہ فلم یتحقق الاذن لانھم لایدرون انہ لھم وبجعلھم یصیرلہ حتی یاذنوا لہ فی التصرف وانما یظن ویظنون انہ	لیتے ہیں، اور نہ ہی بطور ہبہ لیتے ہیں اور اِن اشیاء کو خرچ کر بیٹھتے ہیں، تو ان پر ان کا مثل واجب ہوگا یا قیمت لازم آئے گی، ان کو جہالت کی وجہ سے اس کا علم نہیں یا قیمت لازم آئے گی، ان کو جہالت کی وجہ سے اس کا علم نہیں اللہ ہمیں جہل سے محفوظ رکھے اور ہمیں علم و عمل کی توفیق دے (آمین) اھ (ت) **میں کہتا ہوں** اس کا قول "لایعلم الکل بھا" ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کارندے اِن اشیاء کو اُس شخص کے پاس لے آئیں جس نے ان کو جمع کرنیکا حکم دیا ہے تو وہ اسکو دے دیں اور یہ حاصل کرلے تو گویا انکی طرف سے دینا شمار ہوگا اور اس کی طرف سے لینا ہوگا، اور یہ ہبہ کا ایجاب وقبول شمار ہوگا تو اس کا جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے کہ جب انہیں علم ہو کہ اعوان کیلئے ملک ثابت ہے تو یہ دینا لینا ہبہ کا ایجاب قبول ہوگا لیکن وہ سب کے سب اس سے غافل ہیں، اور وہ مدد کفایت مؤنت میں سمجھتے ہیں مثلاً کسی شخص نے ایک آدمی کو گھر میں بھیجا کہ وہاں سے کُرسی اٹھالائے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا لیکن اذن بلاشبہ ثابت ہے اور ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ وہ اُس شخص کیلئے لیں، اور اس کو دیتے بھی اس لئے ہیں کہ وہ اُس میں تصرف کرے، وہ غصب تو نہیں کررہا ہے کہ ضمان واجب ہو۔ (ت) **اگر یہ اعتراض کیا جائے** کہ وہ لوگ اپنے آپ کو ان اشیاء کا مالک نہیں سمجھتے ہیں، اور وہ شخص ان چیزوں پر اس طرح قابض ہوتا ہے گویا وہ ان چیزوں کا پہلا مالک ہے، اور اس طرح تصرف کرتا ہے گویا وہ ان چیزوں کا مالک ہو تو ایسی صورت میں اذن متحقق نہ ہوگا کیونکہ ان کو تو پتا ہی نہیں کہ

[5] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

لمالك له ولا عبرة بالظن البين خطؤه كمن(۱) حسب ان الشيئ الفلانی من ودائع زيد عند ابيه فاداه الى وارثيه فتصرفوا ثم تبين انه لابيه لالزيد فان له ان يرجع علےھم به قائما اوبضمانه هالكا۔في العقود الدرية من كتاب الشركة من دفع شيأا ليس بواجب عليه فله استرداده الا اذا دفعه على وجه الهبة واستهلكه القابض كما فى شرح النظم الوهبانى وغيره من المعتبرات [6]اھ وفيها وفى الخيرية من كتاب الوقف قد صرحوا(۲)بان من ظن ان عليه دينا فبان خلافه يرجع بما ادى ولو كان قداستهلكه رجع ببدله [7] اھ۔ **اقول:** هذا فيما لوعلم انه ليس للمدفوع اليه لم يدفع اليه اماهنا فانما ياتون به له ولوعلموا ان الملك يقع لهم لم يتخلفوا عن اعطائه له فرضاهم بتصرفه فيه ثابت على كل تقدير ولهذا لم يكترث	یہ چیز ان کی ملکیت میں ہے اور اُس کی مِلک میں اُسی وقت ہو گی جب وہ اِذن دیں،اور اِس صورت میں اس کو گمان ہے کہ وہ مالک ہے اور ان کو بھی گمان ہے کہ وہی مالک ہے،اور جس گمان کا خطا ہو نا ظاہر ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں،مثلاً کوئی شخص یہ گمان کر بیٹھے کہ فلاں چیز زید کی امانتوں میں سے اس کے باپ کے پاس ہے اور اس پر گمان پر وہ چیز زید کے وارثوں کو دے دیتا ہے اور وہ اس میں تصرف کر لیتے ہیں پھر بعد میں اس کو پتا چلتا ہے کہ وہ چیز تو اس کے باپ ہی کی ہے زید کی نہیں ہے،تو اگر وہ چیز موجود ہو تو وہ ان سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ہلاک ہو گئی ہے تو اس کا ضمان لے سکتا ہے،"العقود الدریہ" کے کتاب الشرکۃ میں ہے کہ جس نے کوئی ایسی چیز دی جو اُس پر واجب نہ تھی تو وہ اس کو واپس لے سکتا ہے،ہاں اگر بطور ہبہ دی ہو اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی ہو تو واپس نہیں لے سکتا ہے،یہی چیز شرح نظم وہبانی وغیرہ معتبر کتب میں ہے اھ اور اس میں اور الخیریہ کے کتاب الوقف کے حوالہ سے ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ گمان کیا کہ اُس پر دین ہے۔بعد میں معلوم ہوا کہ غلط ہے،تو جو دیا ہے وہ واپس لے گا،اور اگر وہ ہلاک ہو گیا ہو تو اس کا بدل لے گا اھ (ت) **میں کہتا ہوں** یہ اُس صورت میں ہے جبکہ اس کو یہ علم ہوا ہو کہ یہ مدفوع الیہ کے لئے نہ تھا تو اُس کو نہ دے گا،اور یہاں تو وہ اُسی کیلئے لاتے ہیں اور اگر ان کو یہ علم ہو کہ مِلک ان کیلئے واقع ہو گی تو اس کے دینے سے تخلف نہ کریں گے،تو

[6] عقود الدریۃ کتاب الشرکۃ قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

[7] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف بیروت ۱/ ۱۳۰

به الخاصة فضلا عن العامة کما اعترف به فلا وجه لنسبتهم الی الجهل والغفلة واقامة النکیر،هذا ماعندی والعلم بالحق عند اللطیف الخبیر۔	اُن کا اُس کے تصرف پر راضی ہونا بہر تقدیر ثابت ہے اور اس لئے خاص لوگ بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے چہ جائیکہ عام لوگ، جیسا کہ خود انہوں نے اعتراف کیا، تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو جہل، غفلت کی طرف منسوب کیا جائے یا انہیں نکیر کی جائے هذا ماعندی الخ (ت)

تنبیہ اوّل: یہ بلا' معاوضہ تین صورتوں کو شامل ہے: ایک یہ کہ وہ اس کا اجیر ہی نہ ہو۔
دوسرے یہ کہ اس کا اجیر تو ہے مگر اس کام پر نہیں کسی اور خاص کام پر ہے تو یہ بلامعاوضہ ہی ہوا۔ تیسرے یہ کہ مطلق کام خدمت پر نوکر ہے جس میں یہ کام بھی داخل مگر نوکری کے غیر وقت میں اُس سے اس کام کیلئے کہا مثلاً دن کا نوکر ہے اُس سے رات کو پانی بھروایا کہ یہ وقت بھی بلامعاوضہ ہے ولہٰذا ہم نے اِن صورتوں کو تشقیق میں نہ لیا۔
صورت چہارم میں وہ مباح آقا کی مِلک ہوگا یعنی جب کہ اُس کی نوکری کے وقت میں یہ کام لیا ورنہ صورت سوم میں داخل ہے کما مر اِس صورت میں مِلکِ آقا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نوکری کے وقت میں نوکر کے منافع اُس کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں اور اُس کا اُس کے حکم سے قبضہ بعینہٖ اُس کا قبضہ ہے۔ ہدایہ میں ہے:

((۲)الاجیر الخاص الذی یستحق الاجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کمن استؤجر شهرا للخدمة اولرعی الغنم)وانما سمی اجیر وحدلانه لایمکنه ان یعمل لغیره لان منافعه فی المدة صارت مستحقة له والاجر مقابل بالمنافع ولهذا یبقی الاجر مستحقا وان نقض العمل(لاضمان علی ماتف من عمله)لان المنافع متی صارت مملوکة للمستأجر فاذا امره بالتصرف فی ملکه صح ویصیر نائبا منابه فیصیر فعله منقولا الیه	وہ خاص اجیر جو اجرت کا مستحق ہوتا ہے کہ ایک مدت کے لئے اپنے آپ کو سپرد کردے خواہ کام نہ کرے (مثلاً کسی شخص کو ایک ماہ کے لئے خدمت یا بکریاں چرانے کیلئے اجرت پر لیا) اس کو اجیر وحد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے کا کام نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس مدت میں اس کے منافع سب اس کیلئے مخصوص ہوگئے ہیں اور اجر منافع کے مقابل ہوتا ہے اس لئے اجیر مستحق رہتا ہے اگرچہ کام ختم ہوجائے (اس کے عمل سے اگر کوئی چیز تلف ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں ہے) کیونکہ منافع جب مستاجر کی مِلک ہوگئے تو اب جب اُس نے اپنی مِلک میں تصرف کا حکم دیا تو صحیح ہوگیا، اور وہ

كانه فعله بنفسه فلهذا لا يضمنه [8]۔	اس کا قائم مقام ہوگا اور اس کا فعل اس کی طرف منقول ہوگا گویا یہ فعل اس نے خود کیا ہے، اس لئے وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔ (ت)

یوں ہی صورت پنجم میں اور اجیر اجر مقرر کا مستحق ہوگا کہ یہ اجارہ صحیحہ ہے اور صورت ششم میں بھی وہ شے مباح مِلک مستاجر ہوگی مگر اجیر مثل پائے گا جو مسمّٰی سے زاید نہ ہو کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے۔

اقول: ويظهر لی ان الوجه فيه والله تعالٰی اعلم ان الاجارة اما علی العمل اعنی التصرف فی شیئ من النقل والحمل والقطع والقلع وغير ذلك وهو فی الاجير المشترك والمقصود فيه حصول ذلك التصرف كيفما كان ولذا لم يتقيد بعمل الاجير نفسه واما علی منافع الاجير وهو فی الاجير الخاص والاجارة فی المباحات لاتنعقد علی الوجه الاول لانها لاتختص بالمستأجر ونسبتها الی الكل سواء فكيف يكون حصول تصرف فيها موجبا للاجر علی المستأجر بل انما الاجر مقابل فيها بمنافع الاجير حيث يريد المستأجر ان يستعمله فی حاجته فلا يكون الا اجير وحد ولا تتقدر منافعه الا بتعيين المدة فاذالم تذكر بقی المعقود عليه مجهولا ففسدت ولذا لوكان الشیئ ملك المستأجر كأن يقول اقطع شجرتی هذه بدرهم جاز كما ياتی والله تعالٰی اعلم۔	**میں کہتا ہوں** مجھے اس کی جو وجہ معلوم ہوتی ہے واللہ تعالٰی اعلم وہ یہ ہے کہ اجارہ یا تو عمل پر ہوگا یعنی کسی چیز میں تصرف کرنا، نقل وحمل، کاٹنے یا اکھاڑنے کے طور پر اور اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں، اور مقصود اس میں اس تصرف کا حاصل ہونا ہے خواہ کسی طرح ہو لہٰذا اس میں یہ قید نہیں کہ اجیر خود ہی عمل کرے اور یا اجارہ اجیر کے منافع پر ہوگا یہ اجیر خاص میں ہوتا ہے، اور مباح چیزوں میں پہلی صورت میں اجارہ متصور نہیں، کیونکہ وہ مستاجر کے ساتھ مخصوص نہیں، اور سب کی طرف اس کی نسبت یکساں ہے، تو اس میں تصرف کا حصول مستاجر پر اجر کو کیونکر لازم کرے گا، بلکہ ان میں اجر اجیر کے منافع کے مقابل ہے کہ مستاجر چاہتا ہے کہ اس کو اپنی حاجت میں استعمال کرے، تو یہ اجیر وحد ہوگا، اور اس کے منافع کا اندازہ مدۃ کی تعیین وتحدید سے ہی ہوگا اور جب مدۃ کا ذکر نہیں کیا گیا تو معقود علیہ مجہول رہے گا اور اجارہ فاسد رہے گا، اور اسی لئے اگر کوئی چیز مستاجر کی مِلک ہو، مثلاً مستاجر یہ کہے کہ میرا یہ درخت ایک درہم میں اٹ دو تو جائز ہے جیسا کہ آئے گا، واللہ اعلم۔ (ت)

[8] الہدایۃ باب ضمان الاجیر مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۰۸

فتاوٰی عالمگیریہ میں قنیہ سے ہے:

قال(۱)نصیر سألت ابا سلیمٰن عمن استأجرہ لیحتطب له الی اللیل قال ان سمی یوما جاز والحطب للمستأجر(۲)ولوقال ھذا الحطب فالاجارۃ فاسدۃ والحطب للمستأجر وعلیه اجر مثله(۳)ولوکان الحطب الذی عینه ملك المستأجر جاز [9]۔ **اقول:** والمراد اجر المثل بالغاما بلغ ان لم یسم معینا والا فالاقل منه ومن المسمی کما ھو الاصل المعروف ولذا عولت علیه وسیأتی التصریح به۔	نصیر نے فرمایا میں نے ابو سلیمان سے پوچھا کہ ایک شخص کسی مزدور سے معاہدہ کرے کہ وہ رات تک اس کیلئے لکڑیاں جمع کرے، تو فرمایا کہ اگر ایک دن کا نام لیا تو جائز ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہوں گی، اور اگر اشارہ کرکے کہا کہ یہ لکڑیاں تو اجارہ فاسد ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہیں اور اس پر اجرِ مثل ہے، اگر وہ لکڑیاں مستاجر کی مِلک ہیں تو جائز ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں** مراد اجر مثل ہے خواہ جتنا بھی ہو اگر اس نے معین نہ کیا ہو ورنہ اجر مثل اور اجر معین سے جو کم ہو وہ دیا جائے گا، جیسا کہ کلیہ معروف ہے، اس لئے میں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کی تصریح بھی آجائے گی(ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(استأجرہ لیصیدله اویحتطب له فان وقت)لذلك وقتا(جاز والالا)فلولم یوقت وعین الحطب فسد (الا اذعین الحطب وھو)ای الحطب(ملکه فیجوز) مجتبی وبه یفتی صیرفیة [10]اھ۔قال العلامة ش قوله والالا ی والحطب للعامل ط قوله فسد قال فی الھندیة ولو قال ھذا الحطب الٰی اٰخر مانقلنا قال قوله وبه یفتی صیرفیة قال فیھا ان ذکر الیوم	(اس کو اس لئے مزدوری پر لیا کہ وہ اس کے لئے شکار کرے یا لکڑیاں چنے تو اگر اس کا وقت مقرر کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں) اور اگر وقت مقرر نہ کیا، اور لکڑیاں مقرر کر دیں تو یہ عقد فاسد ہے (ہاں اگر لکڑیاں متعین کردیں اور وہ لکڑیاں اسی کی مِلک ہیں تو جائز ہے) مجتبٰی اسی پر فتوٰی ہے "صیرفیة اھ"۔علامہ "ش" نے فرمایا "اور اس کا قول والالا یعنی لکڑیاں عامل کی ہوں گی ط ان کا قول "فسد" ہندیہ میں ہے ولو قال ھذا الحطب الی اٰخر

[9] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

[10] الدر المختار اجارہ فاسدہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

اقول: والمراد اجر المثل بالغاما بلغ ان لم یسم معینا والا فالاقل منه ومن المسمی کما ھو الاصل المعروف ولذا عولت علیه وسیأتی التصریح به۔ فالعلف للاٰمر والا فللمأمور وھذہ روایة الحاوی وبه یفتی قال فی المنح وھذا یوافق ماقدمناہ عن المجتبٰی ومن ثم عولنا علیه فی المختصر [11] اھ۔

جو ہم نے نقل کیا ہے فرمایا ان کا قول وبہ یفتی صیرفیۃ اس میں ہے کہ اگر مستاجر نے دن کا ذکر کیا تو چارہ حکم دینے والے کے لئے ہوگا ورنہ اس کا ہوگا جس کو حکم دیا گیا، اور یہ حاوی کی روایت ہے اور اس پر فتوی ہے۔ منح میں ہے اور یہ اُس کے موافق ہے جو ہم مجتبٰی سے نقل کر آئے ہیں اور اس لئے ہم نے اس پر مختصر میں اعتماد کیا اھ۔ (ت)

اقول: ھھنا تنبیھان الاول کون الحطب للعامل اذالم یوقت علی مافی الصیرفیة وتبع اطلاقھا الفاضلان ط و ش محله مااذالم یعین الحطب ایضا والاکان للاٰمر کما قدمنا عن الھندیة عن القنیة عن نصیر عن ابی سلیمٰن وقد نقلاہ ایضا واقراہ وفی غمز العیون استأجرہ لیصید له اولیحتطب جاز ان وقت بان قال ھذا الیوم اوھذا الشھر ویجب المسمی لان ھذا اجیر وحد وشرط صحته بیان الوقت وقد وجد وان لم یوقت ولکن عین الصید والحطب فالاجارة فاسدة لجھالة الوقت فیجب اجر المثل وما حصل یکون للمستأجر کذا فی الولوالجیة [12] اھ۔ وفی خزانة المفتین رجل استأجر اجیرا لیخیط له الی اللیل بدرھم جاز وکذا لیصتاد له الی اللیل اولیحتطب جاز ویکون الحطب والصید للمستأجر ولو قال لیصطاد ھذا الصید اولیحتطب

میں کہتا ہوں یہاں دو تنبیہات ہیں:

پہلی تنبیہ: لکڑیوں کا عامل کیلئے ہونا جبکہ اس نے وقت کا تعین نہ کیا ہو، جیسا کہ صیرفیہ میں ہے، اور دو ۲ فاضلوں یعنی ط اور ش نے اس کے اطلاق کی متابعت کی ہے اس کا محل یہ ہے کہ جب لکڑیوں کا تعین بھی نہ کیا ہو ورنہ لکڑیاں آمر کی ہوں گی، جیسا کہ ہم نے ہندیہ اور قنیہ کے حوالہ سے نقل کیا، یہ روایت نصیر کی ابو سلیمان سے ہے، اور اُن دونوں نے اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا، اور غمز العیون میں ہے کسی شخص نے مزدور کو اُجرت پر لیا کہ اُس کیلئے شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس نے اس وقت کا تعین کر دیا ہو مثلاً یہ کہا ہو کہ اس دن یا اِس ماہ میں، اور جو طے کیا ہو وہ واجب ہوگا کیونکہ یہ اجیر محض ہے، اور اس کی صحت کی شرط وقت کا بیان ہے جو پائی گئی ہے اور اگر وقت کا تعین نہ کیا ہو لیکن شکار اور لکڑیوں کا تعین کیا ہو تو اجارہ فاسدہ ہے کہ وقت کی جہالت ہے، تو اس صورت میں اجرِ مثل

---

[11] ردالمحتار اجارہ فاسدہ البابی مصر ۵/ ۴۳

[12] غمز العیون مع الاشباہ کتاب الاجارۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۶

<table>
<tr>
<td>هذا الحطب فهو اجارة فاسدة والحطب والصيد للمستأجر وعليه للاجير اجر المثل ولو استعان من انسان فى الاحتطاب والاصطياد فان الصيد والحطب يكون للعامل [13] اھ۔
(۱) وفى الهندية عن محيط السرخسى عن محمد رحمه الله تعالٰى فيمن قال لغيره اقتل هذا الذئب او هذا الاسد ولك درہم و الذئب او الاسد صيد فله اجر مثله لايجاوز به درهما والصيد للمستأجر [14] اھ۔ وبالجملة النقول فيه مستفيضة فما (۲) كان ينبغى اطلاق كون الحطب للعامل عند عدم التوقيت لشموله صورة تعيين الحطب وقد (۳) ذكرها الشارح تفريعا عليه بل (۴) اشار اليها الماتن ايضا كما ترى والثانى وقع فى الهندية عن القنية قبل مانقلناه متصلا به مانصه استأجر ليقطع له اليوم حاجا ففعل لاشیئ عليه والحاج للأمور قال نصير سألت ابا سليمن [15] الخ۔ وكتبت عليه مانصه۔</td>
<td>واجب ہوگا، اور جو حاصل ہوگا وہ مستأجر کو ملے گا کذا فی الولوالجیہ اھ۔ اور خزانۃ المفتین میں ہے کہ کسی شخص نے ایک اجیر لیا کہ وہ رات تک اس کے لئے سلائی کرے اور ایک درہم لے، تو جائز ہے، یا رات تک شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے، اور یہ لکڑیاں اور شکار مستاجر کا ہوگا، اور اگر کہا کہ یہ شکار کرے یا یہ لکڑیاں اکٹھی کرے، تو اجارہ فاسد ہے، اور لکڑیاں اور شکار مستاجر کا ہوگا اور اس کے ذمہ اجیر کیلئے اجر مثل ہوگا، اور اگر کسی انسان سے لکڑیاں اکٹھی کرنے یا شکار میں مدد طلب کی تو شکار اور لکڑیاں عمل کرنے والے کی ہونگی اھ۔ اور ہندیہ میں محیط السرخسی سے محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی سے کہا کہ یہ بھیڑیا ہلاک کردو یا یہ شیر، اور تم کو ایک درہم ملے گا۔ تو بھیڑیا اور شیر شکار شمار ہوگا اور اُس کا اجر مثل ملے گا جو ایک درہم سے زائد نہ ہوگا، اور شکار مستاجر کا ہوگا اھ۔ خلاصہ یہ کہ اس میں نقول مشہور ہیں تو وقت کی تعیین نہ ہونے کی صورت میں لکڑیوں کا مطلقًا عامل کیلئے قرار دینا درست نہیں، کیونکہ یہ لکڑیوں کے متعین کرنے کی صورت کو بھی شامل ہے، اور اس کو شارح نے اس کی تفریع کے طور پر ذکر کیا ہے، بلکہ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں ماتن نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے ___
دوسری تنبیہ: ہندیہ نے قنیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے</td>
</tr>
</table>

---

[13] خزانۃ المفتین

[14] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

[15] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

اقول:(۱)انظر ما وجهه فانه اجير وحد وشرطه بيان المدة وقد وجد كما فى الغمز وش(۲)وقد قال عن ابى سليمٰن بعده ان مسمى يوما جازو ذكر بعده باسطر عن محيط(۳)السرخسى لو استأجر ليصيد له اوليغزل له اوللخصومة اوتقاضى الدين اوقبض الدين لايجوز فان فعل يجب اجر المثل ولو ذكر مدة يجوز فى جميع ذلك [16]اھ۔ويظهر لى فى تأويله ان ليس المراد باليوم الوقت المعلوم الممتد الى غروب الشمس بل هو فيه بعمنى الظرفية اى يقع القطع فى هذا اليوم فهو للاستعجال مثل خطه لى اليوم بدرهم فى(۴)الهداية من استأجر رجلا ليخبزله هذه العشره المخاتيم من الدقيق اليوم بدرهم فهو فاسد عند ابى حنيفة وقال ابو يوسف ومحمد رضى الله تعالٰى عنهم جازلانه يجعل المعقود عليه عملا وذكر اللوقت للاستعجال تصحيحا للعقد وله ان المعقود عليه مجهول لان ذكر الوقت يوجب كون المنفعة معقودا عليها وذكر العمل يوجب كونه معقودا عليه	کسی نے کوئی مزدور اس کام کیلئے لیا کہ وہ آج اُس کیلئے گھاس کاٹے گا،اُس نے ایسا ہی کیا تو اس کیلئے کوئی اُجرت لازم نہیں،اور گھاس اُسی کی ہوجائے گی۔نصیر نے کہا میں نے ابوسلیمٰن سے دریافت کیاالخ۔(ت) **میں کہتا ہوں** اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض اجیر ہے،اور اس کی شرط بیان مدۃ ہے جو پائی گئی کما فی الغمز و'ش'اور اس کے بعد ابوسلیمان سے کہا کہ اگر ایک دن کا کہا تو جائز ہے اور چند سطور بعد محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اگر کسی کو اجرت پر لیا تاکہ اس کے لئے شکار کرے یا سُوت کاتے یا اُس کی وکالت کرے یا قرض طلب کرے یا قرض وصول کرے تو جائز نہیں،تو اگر ایسا کیا تو اجر مثل واجب ہوگا اور اگر مدۃ کا ذکر کیا تو ان تمام صورتوں میں جائز ہے اھ۔اور اس کی تاویل مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یوم سے مراد دن کا وہ معین وقت نہیں ہے جو غروبِ آفتاب تک دراز ہو،بلالکہ اس یہاں ظرفیت کے معنی ہیں یعنی گھاس کا کاٹنا اس دن میں واقع ہو،تو یہ جلدی کے اظہار کیلئے ہے،جیسے یہ کہا کہ آج ہی یہ چیز مجھے سی کردو،ایک روپے میں،ہدایہ میں ہے جس نے کسی شخص کو اُجرت پر لیا تاکہ آج ایک درہم میں یہ دس بوری آٹا پکادے تو یہ اجارہ ابوحنیفہ کے نزدیک فاسد ہے،اور صاحبین نے فرمایا جائز ہے،صاحبین معقود علیہ عمل کو قرار دیتے ہیں اور ذکرِ وقت کو عجلت کیلئے قرار دیتے ہیں تاکہ عقد صحیح ہو،امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ مجہول ہے کیونکہ

[16] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

ولا ترجیح ونفع المستأجر فی الثانی ونفع الاجیر فی الاول فیفضی الی المنازعة(۱) وعن ابی حنیفة انه یصح الاجارة اذا قال فی الیوم وقدسمی عملا لانه للظرف فکان المعقود علیه العمل بخلاف قوله الیوم وقدمر مثله فی الطلاق [17] اھ۔اوالامران القنیة ذکرت ھذا برمز ثم رمزت لأخر وذکرت ماعن نصیر فیکون ھذا قول بعض علی خلاف ماعلیه الناس وعلی خلاف ماعلیه الفتوی کما فی(۲) الصیرفیة ومن عادة الھندیة نقل عبارة القنیة بحذف(۳) الرموز فتصیر الاقوال کقول واحد کما نبھت علیه فی بعض المواضع من ھو امشھا واللہ تعالٰی اعلم۔	وقت کا ذکر منفعت کو معقود علیہا بناتا ہے، اور عمل کا ذکر اس کو معقود علیہ کرتا ہے، اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے، مستاجر کا نفع دوسرے میں ہے اور اجیر کا پہلے میں ہے، تو اس میں جھگڑا پیدا ہوگا، اور ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ اجارہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ "دن میں" کہا اور کسی عمل کا نام لیا، کیونکہ یہ ظرف ہے تو معقود علیہ عمل ہوا بخلاف اس کے قول "الیوم" کے اور اسی کی مثل طلاق کے باب میں گزرا اھ یا معاملہ اس طرح ہے کہ قنیہ نے اسکو ثم کے رمز سے ذکر کرکے دوسرے کی طرف اشارہ کیا، اور جو کچھ نصیر سے مروی ہے وہ نقل کیا، یہ بعض کا قول ہے اور بعض کے خلاف ہے، اور فتوٰی بھی اس کے خلاف پر ہے کما فی الصیرفیة اور ہندیہ کی عادت ہے کہ وہ قنیہ کی عبارت رموز کے بغیر ہی نقل کردیتے ہیں، تو چند اقوال ایک ہی قول کے مانند ہوجاتے ہیں، اس پر میں نے اس کے بعض حواشی پر تنبیہ کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

صورت ہفتم خود ظاہر ہے کہ اُس کے اقرار سے ملک مستاجر ہے۔

اقول: وذلك لان الاجیر عامل لغیرہ وقد اعترف انه عمل علی وجه الاجارة واخذہ لمن استأجرہ۔	**میں کہتا ہوں** اس کی وجہ یہ ہے کہ اجیر دوسرے کا عامل ہوتا ہے اور اس نے یہ اعتراف کیا ہے وہ وہ بطور اجیر کام کررہا ہے اور وہ چیز مستاجر کیلئے لے رہا ہے۔ (ت)

یوں ہی صورتِ ہشتم میں کہ ظرف مستاجر میں احراز دلیل ہے کہ مستاجر کیلئے ہے، جامع الصغار میں ہے:

---

[17] الہدایۃ اجارہ فاسدہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۰۴

الاجیر اذا حمل الماء بکوز المستأجر یکون محرزا للمستأجر[18]۔	اجیر جب مستاجر کے کُوزے میں پانی لائے تو وہ مستاجر کا ہوگا۔(ت)

رہی صورت نہم ظاہر ہے کہ اس میں مِلک اجیر ہے۔

اقول: اور اس پر تقریر دلیل یوں کہ یہ اجیر نہ بیان مدّت کے ساتھ اپنے منافع بیچ چکا ہے کہ اس وقت میں اُس کا کام خواہی نخواہی آمر کیلئے ہو نہ شیئ کی تعیین ہوئی کہ بوجہ قبول اُس کا پابند ہو تو وہ اپنی آزادی پر ہے کیا ضرور ہے کہ اس وقت جو اُس نے لیا بر بنائے جارہ بغرض مستاجر لیا ہو نہ وہ مقر ہے نہ ہشتم کی طرح کوئی دلیل ظاہر ہے لہٰذا مِلک اجیر ہی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول: ویترا أی لی ان مَثَل الاستیلاء، عند الفقهاء، کمثل الشراء، مهما وجد نفاذ(ا) انفذ فاذا وکله بشراء عبد، والموکل لم یعین العبد، ولا الوکیل اضاف الیه العقد، ولا وقع من ماله النقد، ولا اقرانه شراه له، فانه یکون للشاری لالمن وکله، والمسألة فی الهدایة والدر، وعامة الاسفار الغر، فالتوقیت ههنا کالاضافة ثمه لانتقال فعله الی الاٰمر کمامرو الاحراز بظرفه کالنقد من ماله والا قرار الاقرار والتعیین التعیین واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اور مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ استیلاء کی مثال فقہاء کے نزدیک شراء کی سی ہے جب نفاذ پایا جائیگا اس کو نافذ کر دیا جائیگا۔اب کسی نے کسی شخص کو غلام خریدنے کیلئے کہا اور موکل نے غلام کی تعیین نہ کی اور نہ وکیل نے عقد کو اس کی طرف مضاف کیا اور نہ اس کے مال سے ادائیگی کی اور نہ یہ کہا کہ اُس نے اس کیلئے خریدا ہے، تو یہ غلام خریدنے والے کا ہوگا نہ کہ حکم دینے والے کا، یہ مسئلہ ہدایہ، در اور عام کتب میں مذکور ہے، تو یہاں توقیت کی حیثیت وہاں اضافت کی طرح ہے کیونکہ اس کا فعل آمر کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور اُس کے ظرف کا حاصل کرلینا اس کے مال سے ادائیگی کی طرح ہے اور یہ اقرار اس اقرار کی طرح اور یہ تعیین اس تعیین کی طرح ہے، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔(ت)

بالجملہ یہ نو صورتیں ہیں جن میں سے چار میں وہ شے مباح لینے والے کی مِلک ہے اور پانچ میں دوسرے کی۔ یہ جبکہ لینے والا حُر ہو ورنہ مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اس کا جو کچھ ہے اس کے مولی کا ہے هذا

[18] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

ماظهر لی نظرا فی کلماتهم وارجو ان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا ان کے کلمات کو دیکھتے ہوئے اور مجھے امید ہے کہ یہی صحیح ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ت)

تنقیح دوم: یہ اصول مطلق استیلائے مباح میں ہُوئے یہاں کہ گفتگو نابالغ میں ہے یہ بھی دیکھنا ضرور کہ اُس کے والدین اگر اُس سے کوئی شے مباح مثلاً کُنویں سے پانی یا جنگل سے پتّے منگائیں تو اُس نسبت بنوت کے سبب احکام مذکورہ استیلاء میں کوئی تفاوت آئے گا یا نہیں، اگر آئے گا تو کیا۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں:

اوّل کہ زیادہ مشہور ہے یہ کہ والدین کو بھی مباحات میں استخدام کا اختیار نہیں صبی اگرچہ ان کے حکم سے اُنہیں کے لئے انہیں کے ظرف میں لے خود ہی مالک ہوگا اور والدین کو اُس میں تصرف حرام مگر بحالت محتاجی۔

اقول: یعنی بحالت فقر بلا قیمت اور بحالتِ احتیاج حاضر مثلاً سفر میں ہوں اور مال گھر میں بوعدہ قیمت تصرف کرسکتے ہیں ذخیرہ ومنیہ پھر معراج الدرایہ پھر حموی کنز پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

لوامر صبیا ابوه اوامه باتیان الماء من الوادی اوالحوض فی کوز فجاء به لایحل لابویه ان یشربا من ذلك الماء اذالم یکونا فقیرین لان الماء صار ملکه ولایحل لهما الاکل ای والشرب من ماله بغیر حاجة[19]۔	اگر کسی بچّہ کو اپنے باپ یا ماں نے وادی یا حوض سے لوٹے میں پانی لانے کو کہا پھر وہ پانی لے آئے تو اس کے ماں باپ کیلئے اس پانی کو پینا جائز نہیں بشرطیکہ وہ فقیر نہ ہوں، کیونکہ پانی اُس بچّہ کی مِلک ہوگیا اور اُن دونوں کیلئے اس کے مال سے بلاحاجت کھانا پینا جائز نہیں۔(ت)

جامع احکام الصغار پھر حموی اشباہ اور تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

(۲)اذا احتاج الاب الی مال ولده فان کانا فی المصر واحتاج لفقره اکل بغیر شیئ وانکانا فی المفازة واحتاج الیه لانعدام الطعام معه فله الاکل بالقیمة[20]۔	جب باپ کو بچّے کے مال کی حاجت ہو اور وہ شہر میں ہو اور فقر کی وجہ سے بچہ کا مال کھانے کا محتاج ہو تو کھالے اور اس پر کوئی شے نہیں، اور اگر یہ صورت حال جنگل میں پیش آئے اور باپ کے پاس کھانا موجود نہ ہو اور اس کو کھانے کی ضرورت ہو تو وہ قیمت کے ساتھ کھاسکتا ہے۔(ت)

---

[19] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[20] ردالمحتار کتاب الھبۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۳

جامع الفصولین فوائد امام ظہیر الدین سے ہے:

لوکان الاب فی فلاۃولہ مال فاحتاج الی طعام ولدہ اکلہ بقیمۃ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاب احق بمال ولدہ اذا احتاج الیہ بالمعروف والمعروف ان یتناولہ بغیر شیئ لوفقیرا والا فبقیمتہ[21]۔	اگر باپ جنگل میں ہو اور اس کے پاس مال ہو اور پھر اس کو اپنے بیٹے کا مال کھانے کی ضرورت لاحق ہو تو وہ اس کی قیمت دے کر کھا سکتا ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے کے مال کا معروف طریقہ کے مطابق زیادہ حق ہے اور معروف طریقہ یہی ہے کہ بلا قیمت استعمال کرے اگر فقیر ہو، ورنہ قیمت کے ساتھ استعمال کرے۔ (ت)

مگر اس اجازت سے احکام مذکورہ استیلا میں کوئی تغیر نہ ہوا کہ مِلک نابالغ ہی کی قرار پائی۔ ماں باپ کو قیمتاً یا مفت اُس میں تصرف کی اجازت کچھ اسی مال استیلاء سے خاص نہیں صبی کی ہر مِلک میں ہے۔

دوم: فقیر والدین کی طرح غنی ماں باپ کو بھی بچہ سے ایسی خدمت لینے کا حق ہے اور وہ پانی روا کہ عرف ورواج مطلق ہے یہ امام محمد سے ایک روایت ہے ذخیرہ اور اس کے ساتھ کی کتابوں میں بعد عبارت مذکورہ ہے: **وعن محمد یحل لھما ولوغنیین للمعروف والعادۃ**[22]۔ (محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان دونوں کے لئے حلال ہے اگرچہ دونوں غنی ہوں کیونکہ عرف اور عادت کا اعتبار ہے۔ت)

اقول: اس تقدیر پر ظاہر یہ ہوتا کہ جو مباح صبی نے فرمائش والدین سے لیا اس کے مالک والدین ہی ٹھہریں ورنہ بحالِ غنا ان کو تصرف ناروا ہوتا قال تعالٰی **مَنْ کَا...**[23] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے۔ت) تو یہ روایت صور ثلثہ استیلاء سے صورت سوم کے حکم میں والدین کا استثناء کرتی مگر امام محمد ہی سے ایسی ہی نادرہ روایت آئی ہے کہ اگر بچہ کھانے پینے کی چیز اپنے ماں باپ کو ہدیۃ دے تو وہ والدین کے لئے مباح ہے تو یہ روایت بھی احکامِ مذکورہ پر کچھ اثر نہ ڈالے گی کہ مالک صبی ہی ٹھہرا۔ جامع احکام الصغار میں ہے:

فی ھبۃ فتاوی القاضی ظھیر الدین	قاضی ظہیر الدین کے فتاوٰی کی ہبہ کی بحث میں ہے

[21] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[22] جامع الفصولین الفصل السابع والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹

[23] القرآن ۴/ ۶

رحمہ اللہ تعالٰی اذا اھدی الصغیر شیأ من المأکولات روی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ یباح لوالدیہ وشبہ ذلك بضیافۃ المأذون واکثر مشایخ بخاری انہ لایباح[24]۔	کہ جب بچّہ کھانے کی کوئی چیز بطور ہدیہ دے تو امام محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو اس میں سے کھانا جائز ہے،اور انہوں نے اس کو ماذون کی ضیافت کے مشابہ قرار دیا اور بخارا کے اکثر مشائخ کہتے ہیں یہ مباح نہیں۔(ت)

اسی طرح شامی میں تاتارخانیہ وذخیرہ سے ہے اس روایت کی تحقیق بعونہ تعالٰی عنقریب آتی ہے اور یہ کہ وہ اس مقام سے بے علاقہ ہے مگر اقرب یہی ہے کہ یہ روایت والدین کیلئے اباحتِ تصرف کرتی ہے نہ کہ اثباتِ مِلک تو ضابطہ بحال ہے۔

سوم: اگر ماں باپ کے برتن میں لیا تو وہ مالک ہوں گے ورنہ صبی جیسے اجیر۔

اقول: یعنی جس کا نہ وقت معین کیا نہ کسی معین شے کیلئے اجیر نہ اُس نے مستاجر کیلئے اقرار کہ ان حالتوں میں ظرف پر لحاظ نہیں، جامع الصغار میں ہے:

فی بیوع فوائد صاحب المحیط الاب اوالام اذا امر ولدہ الصغیر لینقل الماء من الحوض الی منزل ابیہ ودفع الیہ الکوز فنقل قال بعضھم الماء الذی فی الکوز یصیر ملکا للصبی حتی لایحل للاب شربہ الا عند الحاجۃ لان الاستخدام فی الاعیان المباحۃ باطل وقال بعضھم ان کان الکوز ملکا للاب یصیر ملکا للاب ویصیر الابن محرز الماء لابیہ کالاجیر اذاحمل الماء بکوز المستأجر یکون محرز اللمستأجر کذا ھذا[25]۔	صاحبِ محیط کی فوائد کے باب البیوع میں ہے کہ ماں باپ نے چھوٹے بچے کو حوض سے اپنے گھر پانی لانے کو کہا اور اس کو لوٹا بھی دیا چنانچہ وہ پانی لے آیا، تو ایسی صورت میں بعض علماء کے نزدیک لوٹے کا پانی بچّہ کی مِلک ہے یہاں تک کہ باپ بلا ضرورت اس میں سے پی بھی نہیں سکتا کیونکہ مباح اشیا کے حصول کیلئے اس سے خدمت لینا باطل ہے،اور بعض نے کہا کہ اگر لوٹا باپ کی ملک ہے تو پانی بھی باپ کی ملک ہوگا اور بیٹا مزدور کی طرح پانی کو اپنے باپ کے لئے جمع کرنے والا قرار پائے گا کیونکہ اجیر اگر مستاجر کے لوٹے میں پانی لائے تو وہ پانی مستاجر ہی کا ہوگا، یہی حال اس کا ہے۔(ت)

[24] جامع احکام الصغار مع الفصولین اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۶

[25] جامع احکام الصغار مع الفصولین اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷

اول کو وہ سید علامہ طحطاوی وشامی نقل کرکے فرمایا اس میں حرج عظیم ہے اور واقعی حرج ہے اور حرج نص قرآنی سے مدفوع ہے،

وحاول ش ان یوھنه بالدلیل فنازعه بان للاب ان یستخدم ولدہ قال فی جامع(۱)الفصولین وللاب ان یعیر ولدہ الصغیر لیخدم استاذہ لتعلیم الحرفة(۲)وللاب او الجد اوالوصی استعماله بلاعوض بطریق التهذیب والریاضة اھ[26]۔قال الا ان یقال لایلزم من ذلك عدم ملکه لذلك الماء المباح وان امرہ به ابوہ واللہ تعالٰی اعلم اھ[27]۔	اور "ش" نے اس کو دلیل کے ذریعہ کمزور دکھانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ باپ کو تو ویسے بھی حق ہے کہ بلامعاوضہ بیٹے سے کام لے۔جامع الفصولین میں فرمایا کہ باپ اپنے چھوٹے بیٹے کو استاد کی خدمت کیلئے متعین کرسکتا ہے تاکہ استاد اس کو صنعت وحرفت سکھائے،اور باپ دادا اور وصی بچّہ سے کام لے سکتے ہیں تاکہ اس کو ادب وتہذیب سکھائیں اور اس کو کام کرنے کی عادت ہو اھ۔فرمایا مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پانی کا مالک نہیں ہوگا،خواہ اس نے اپنے باپ کے حکم سے پانی لیا ہو واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)
اقول:(۳)الجواب صحیح نظیف ماکان یستاھل التزییف بل(۴)کان واضحا من قبل فلم یکن للسؤال محل(۵)بل السؤال ساقط من رأسه فھم لاینکرون جواز الاستخدام للاب لکن ذلك حیث یصح ویتحقق فان الشیئ انما یجوز بعد مایصح والباطل لاوجود له وقد علمت انه فی الاعیان المباحة باطل وبه انکشف ایھا مان واقعا فی کلامه فی کتاب الشرکة حیث کان فی التنویر(۶)والدر لاتصح شرکة فی احتطاب	میں کہتا ہوں،جواب بالکل درست ہے اس کو ضعیف قرار دینا درست نہ ہوگا،لکہ پہلے سے واضح تھا،تو سوال کی گنجائش ہی نہ تھی، بلالکہ سوال کی بنیاد ہی ساقط ہے، کیونکہ مشائخ اس امر کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ باپ بیٹے سے خدمت لے سکتا ہے لیکن یہ صرف اُسی صورت میں ہے جبکہ متحقق ہو اور صحیح ہو، کیونکہ شے اسی وقت جائز ہوتی ہے جبکہ صحیح ہو اور باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور آپ جان چکے ہیں کہ یہ اعیان مباحہ میں باطل ہے،ان کی کتاب کی کتاب الشرکۃ میں دو وہم تھے وہ بھی اس

[26] ردالمحتار فصل فی الشرب البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[27] ردالمحتار فصل فی الشرب البابی مصر ۵/ ۳۱۲

واحتشاش واصطیاد واستقاء وسائر مباحات لتضمنها اوکالۃ والتوکیل فی اخذ المباح لایصح وما حصله احدھما فله وما حصلاہ معافلهما نصفین ان لم یعلم مالکل وما حصله احدھما باعانۃ صاحبه فله ولصاحبه اجر مثله [28] اھ۔ فکتب رحمہ اللہ تعالٰی علی قوله وما حصلاہ فلهما یؤخذ من ھذا ماافتی به فی الخیریۃ(۱)لواجتمع اخوۃ یعملون فی ترکۃ ابیھم ونَمَا المَالُ فھو بینھم سویۃ ولو اختلفوا فی العمل والرای اھ۔قال ثم ھذا فی غیر الابن مع ابیه لما فی القنیۃ(۲)الاب وابنه یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لهما شیئ فالکسب کله للاب انکان الابن فی عیاله لکونه معیناله [29] اھ۔ **اقول:**(۳)فایرادہ ھذا الفرع فی ھذا المبحث ربما یوھم ان لواجتمع رجل وابنه فی عیاله فی تحصیل مباح کان کله للاب ویجعل الابن معیناله(۴)ولیس کذلك فان الشرع المطھر جعل فی المباح	بگفتگو سے ختم ہوگئی، دُر اور تنویر میں ہے لکڑیاں اکٹھی کرنے، گھاس جمع کرنے، شکار کرنے اور پانی بھرنے میں شرکت جائز نہیں، اور یہی حال دوسری مباحات کا ہے کیونکہ یہ وکالت کو متضمن ہے اور مباح کے لینے میں توکیل جائز نہیں، دو میں سے کسی ایک نے جو حاصل کیا وہ اسی کا ہوگا اور جو دونوں نے مل کر حاصل کیا ہو تو وہ آدھا آدھا ہے، اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کتنا لیا تھا اور جو کچھ ایک نے اپنے ساتھی کی مدد سے لیا وہ اُسی ایک کا ہوگا اور ساتھی کو اجر مثل ملے گا اھ۔ توانہوں نے اس کے قول وماحصلاہ فلھما پر لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خیریہ میں جو فتوی ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے اگرچہ کچھ بھائی مل کر اپنے باپ کے ترکہ میں کام کریں، اور پھر کچھ مال حاصل ہوا تو وہ ان کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوگا خواہ عمل اور رائے میں اختلاف ہی کیوں نہ رہا ہو اھ۔ فرمایا یہ حکم اُس صورت میں نہیں ہے جبکہ بیٹا باپ کے ساتھ مصروف عمل ہو، کیونکہ قنیہ میں ہے اگر باپ بیٹا ایک ہی صنعت میں کام کرتے ہوں اور اُن کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ ہو تو کل کمائی باپ کی شمار ہوگی بشرطیکہ بیٹا باپ کے عیال میں ہو، کیونکہ وہ اس کا مددگار ہے اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** ان کا اِس فرع کو اس بحث میں لانا یہ وہم پیدا کرتا ہے اگر بیٹا باپ کے عیال میں ہو اور باپ بیٹا کسی مباح چیز کے حاصل ہونے میں مل کر کام کریں تو حاصل شدہ چیز پوری کی پوری باپ کی ہوگی اور بیٹا اس کا مددگار قرار پائے گا،

[28] الدرالمختار شرکت فاسدۃ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۴

[29] ردالمحتار شرکت فاسدۃ البابی مصر ۳/ ۳۸۳

سبب الملك الاستيلاء فمن استولی فهو المالك ولا ينتقل الملك الى غيره الابوجه شرعی كهبة وبيع ولا ينسب اخذه لغيره الابوجه شرعی ككونه عبده اواجيره عليه اما الاعانة مجاناً فهی الخدمة وقد علمت بطلان الاستخدام فی تلك الاعيان وكتب علی قوله باعانة صاحبه سواء كانت الاعانة بعمل كما اذا اعانه فی الجمع والقلع اوالربط اوالحمل اوغيره اوبألة كما لودفع له بغلا او راوية ليستقی عليها اوشبكة ليصيد بها حموی وقهستانی ط[30] اھ۔

حالانکہ بات یہ نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مباح اشیاء میں ملک کا سبب استیلاء کو قرار دیا ہے تو جو بھی کسی مباح پر قابض ہو جائے وہی مالک ہے اور دوسرے کی طرف اب اس کی ملک شرعی طریقوں سے ہی منتقل ہو سکتی ہے جیسے ہبہ اور بیع وغیرہ اور اس کا لینا اس کے غیر کی طرف صرف شرعی سبب سے ہی منسوب ہوگا، مثلاً یہ کہ وہ اس کا غلام ہو، یا مزدور ہو، اور مفت کی اعانت تو یہ خدمت ہے، اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مباح چیزوں میں خدمت لینا باطل ہے، اور "باعانۃ صاحبہ" پر لکھا کہ عام ازیں اعانت عملی ہو، جیسے کسی چیز کے جمع کرنے، اکھاڑنے، باندھنے، اٹھانے وغیرہ میں مدد کرے، یا آلہ کے ذریعے مدد ہو جیسے اس کو خچر دیا، پانی بھرنے کا بڑا ڈول دیا یا شکار کے لئے جال دیا، حموی وقہستانی ط اھ۔ (ت)

اقول: (۱) فلا يتوهمن منه الاعانة فی قلع الحطب بان يقلع البعض هذا والبعض هذا لانه هو تحصيلهما (۲) بل المعنی انه وضع يده مع يده فی القلع حتی ضعف تعلقه فقلعه المعان اوعمل هذا اولا وتركه قبل ان ينقلع ثم عمل ذاك فقلعه يكون الاول معيناً والملك للقالع (۳) كمن استقی من بئر فاذا دنا الدلو من رأسه اخرجها ونحاها عن رأس البئر غيره فان الملك للثانی وكذلك اذا

میں کہتا ہوں اس سے یہ وہم پیدا نہ ہو کہ لکڑیاں اکھاڑنے میں مدد دینا بھی اسی طرح ہے، مثلاً بعض لوگ اس طرف سے اور بعض اُس طرف سے لکڑیاں اکھاڑیں اس لئے یہ اُن دونوں کا حاصل کرنا ہے، بلاکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ایک ہی لکڑی پر ہاتھ رکھیں اور دونوں ایک ساتھ اس کو اکھاڑیں، یا یہ کہ پہلے ایک شخص نے ایک درخت پر زور آزمائی کی اور ہٹ گیا پھر دوسرے نے زور آزمائی کی اور اس کو اکھاڑ لیا، تو پہلا مددگار قرار پائے گا اور ملک اکھاڑنے والے کی ہوگی، جیسے کوئی شخص ڈول بھر کر کنویں سے

[30] ردالمحتار شرکت فاسدۃ البابی مصر ۳/ ۳۸۳

اثار احد صیدا وجاء بہ علی اخر فاخذہ کان للاٰخذ وما احسن وابعد عن الایھام عبارۃ الھدایۃ حیث قال(۱)وان عمل احدھما واعانہ الاٰخر فی عملہ بان قلعہ احدھما وجمعہ الاٰخر اوقلعہ وجمعہ وحملہ الاٰخر فللمعین اجر المثل [31]۔	پانی نکالے اور جب ڈول کنویں کے دہانے تک آجائے تو دوسرا شخص نکال کر رکھ دے۔اس صورت میں مِلک دوسرے کی ہوگی،اسی طرح کسی نے شکار کو ہنکایا اور دوسرے شخص کے قریب آیا اور دوسرے شخص نے پکڑ لیا،تو جس نے پکڑا اسی کا ہوگا۔مگر ہدایہ کی عبارت ہر قسم کے وہم سے پاک صاف ہے اس میں ہے کہ اگر عمل ایک نہ کیا اور دوسرے نے اس عمل میں معاونت کی،مثلاً یہ کہ درخت ایک شخص نے اکھاڑے اور دوسرے نے جمع کئے یا اکھاڑے اور جمع کئے لیکن اٹھائے دوسرے نے،تو مددگار کو اجر مثل ملے گا۔(ت)

دوم: کہ نص محرر المذہب سے مروی نظر ظاہر گمان کرے گی کہ بہت کتب معتمدہ مشہورہ نے اُس پر اعتماد کیا فتاوٰی(۱)اہل سمرقند پھر فتاوٰی خلاصہ میں اُس کے حوالہ سے ہے:

رجل(۲)وھب للصغیر شیأا من المأکول یباح للوالدین ان یاکلا منہ کذاروی عن محمد رحمہاﷲ تعالٰی [32]۔	اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کیلئے وہ چیز بھی کھانا جائز ہے محمد رحمہ اللہ سے یہی مروی ہے۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

وھب للصغیر من المأکول شیأ یباح للوالدین ان یاکلاہ [33]۔	اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کو اس چیز کا کھانا صحیح ہے۔(ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

اذا وھب الصبی شیئا من الماکول قال محمد رحمہ اﷲ تعالٰی مباح لوالدیہ ان یاکلا منہ وقال اکثر مشایخ	اگر کسی نے بچہ کو کھانے کی کوئی چیز ہبہ کی تو محمد نے فرمایا اس کے والدین کیلئے اس میں سے کھانا مباح ہے۔اور بخارٰی کے اکثر مشائخ نے فرمایا

---

[31] الہدایۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ جز ثانی المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۶۱۴

[32] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الھبۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۰

[33] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ کتاب الھبۃ پشاور ۶/ ۲۳۷

بخارٰی لایحل [34] اھ **اقول**:(ا) وتفرد بتعبیر قال محمد فان عبارۃ العامۃ روی عندہ واللہ تعالٰی اعلم۔	والدین کو کھانا حلال نہیں اھ (ت) **میں کہتا ہوں** "قال محمد" کی عبارت تنہا انہوں نے ہی استعمال کی ہے کیونکہ عام کتب کی عبارت یہ ہے کہ ان سے مروی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

فتاوٰی (۵) ظہیریہ پھر غمز (٦) العیون میں ہے:

اذا اھدی للصغیر شیئ من المأکولات روی عن محمد انہ یباح لوالدیہ وشبہ ذلك بالضیافۃ واکثر مشایخ بخارٰی علی انہ لایباح بغیر حاجۃ [35]۔	جب بچہ کو کسی نے کھانے کی چیزیں ہدیہ میں دیں، تو محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو ان کا کھانا مباح ہے اور یہ ضیافت کی طرح ہے اور بخاری کے اکثر مشائخ کا کہنا ہے کہ بغیر حاجت جائز نہیں۔ (ت)

بحر الرائق (۷) میں ہے:

یباح للوالدین ان یاکلا من المأکول الموھوب للصغیر کذا فی الخلاصۃ فافاد ان غیر المأکول لایباح لھما الا عند الاحتیاج کما لایخفی [36]۔	والدین کو بچّہ کی موہوبہ چیز کا کھانا مباح ہے کذا فی الخلاصہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر ماکول کو استعمال میں لانا مباح نہیں، ہاں ضرورۃً جائز ہے کما لایخفی۔ (ت)

در مختار میں ہے:

وفیھا ای فی السراجیۃ یباح لوالدیہ ان یاکلا من مأکول وھب لہ وقیل لاانتھی۔ فافاد ان غیر الماکول لایباح لھما الا لحاجۃ [37] اھ اقول: وکانہ اخذہ من ان العمل	سراجیہ میں ہے بچہ کے والدین کو مباح ہے کہ بچہ کو ہدیہ کی گئی چیز سے کھائیں اور ایک قول ہے کہ جائز نہیں انتہی، اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماکول سے بلاحاجۃ استفادہ جائز نہیں اھ (ت) **میں کہتا ہوں** شاید انہوں نے یہ فتوٰی اس اصول سے

---

[34] فتاوٰی سراجیۃ مسائل متفرقۃ من ہبۃ لکھنؤ ص ۹٦

[35] جامع الصغار مع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ١/ ١۴٦

[36] بحر الرائق کتاب الھبۃ سعید کمپنی کراچی ٢/ ٢٨٨

[37] الدر المختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ٢/ ١٦٠

بقول اصحاب الامام اذا لم یوجد عنه قول ولا یوازیه قول المشایخ وان کثروا کماذکرنا نصوصه فی رسالتنا اجلی الا علام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام لاسیما وقد عبره بقال محمد والا فلیس فی السراجیة قیل کما اسمعناك نصها۔	اخذ کیا ہے کہ امام کے اصحاب کے قول پر اس وقت عمل ہوگا جب امام سے کوئی قول نہ پایا جائے اور امام کے قول کے ہمسر مشائخ کے اقوال نہیں ہوسکتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی زیادہ ہوں اس کے نصوص ہم نے اپنے رسالہ اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام میں ذکر کئے ہیں خاص طور پر انہوں نے اس کو "قال محمد" سے تعبیر کیا ہے ورنہ سراجیہ میں قیل نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس کی نص ذکر کی ہے۔(ت)

تاتارخانیہ[9] پھر ردالمحتار[10] میں ہے:

روی عن محمد نصا انه یباح وفی الذخیرة واکثر مشائخ بخاری علی انه لایباح[38]	محمد سے مروی ہے بطور نص کہ یہ مباح ہے اور ذخیرۃ میں ہے کہ اکثر مشائخ بخاری اس پر ہیں کہ مباح نہیں۔(ت)

اسی طرح جواہر[11] اخلاطی وہندیہ[12] میں ہے جامع[13] الصغار کی عبارت اوپر گزری۔

اقول: مگر نظر دقیق حاکم ہے کہ دونوں روایتیں اگرچہ امام محرر المذہب رحمہ اللہ تعالٰی سے ہیں لیکن اس روایت اور ان عبارات کو اس روایت سے علاقہ نہیں یہاں وہ شے مِلک صبی نہیں بلکہ دوسرے نے صبی کے نام ہدیہ بھیجی ہے اور عادت فاشیہ جاری ہے کہ کھانے پینے کی تھوڑی چیز بچّوں ہی کے نام کرکے بھیجتے ہیں اور مقصود ماں باپ کو دینا ہوتا ہے اور یہ توقطعًا نہیں ہوتا کہ ماں باپ پر حرام سمجھتے ہوں اس عرف کا انتشار تام وعام دیکھ کر مطلق حکم فرمایا یا کہیں تفصیل وتوضیح فرمادی۔ فتاوٰی[1] سمرقند پھر تاتاخانیہ[2] پھر شامیہ[3] نیز کتاب[4] التجنیس والمزید پھر جامع[5] الصغار میں ہے:

اذ اهدی الفواکه الی الصبی الصغیر یحل للاب والام الاکل اذا ارید بذلك برالاب والام لکن اهدی الی الصغیر استصغار اللهدیة[39]۔	جب چھوٹے بچے کو کسی نے میوہ جات ہدیہ کئے تو اس کے ماں باپ کو اس میں سے کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس ہدیہ کا مقصد ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک ہو اور بچہ کو محض اس لئے ہدیہ کیا گیا ہو کہ ہدیہ کو چھوٹا سمجھا گیا ہو۔(ت)

[38] ردالمحتار کتاب الہبۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۲

[39] جامع الصغار مع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۶

ملتقط[6] پھر اشباہ[7] کی تعبیر اور احسن ہے جس سے اس عادت کا فاشیہ ہونا روشن ہے۔

حیث قالا اذا(ا)اھدی للصبی شیئ وعلم انه له فلیس للوالدین الا کل منه لغیر حاجة[40]اھ۔ **اقول:** بنی المنع علی علم انه للصغیر فافاد الاباحة اذالم یعلم شیئ ردا الی العادة الفاشیة۔	انہوں نے فرمایا کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہدیہ کی گئی ہو اور معلوم ہو کہ وہ صرف بچے کیلئے ہے تو والدین اس میں سے بلاحاجت نہیں کھا سکتے اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** والدین کیلئے اس کا استعمال جائز نہ ہونا اس شرط سے مشروط ہے کہ اُسے علم ہو کہ یہ بچّہ کا ہے تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ جب علم نہ ہو تو مباح ہے عرف کا لحاظ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے۔(ت)

امام ظہیر الدین نے اُن عبارات مطلقہ کی دلیل بیان فرما کر اس امر کا تصفیہ فرمادیا، ظہیریہ[8] پھر علمگیریہ[9] میں ہے:

اھدی للصغیر الفوا که یحل لوالدیه اکلها لان الاھداء الیهما وذکر الصبی لاستصغار الهدیة[41] اھ۔ **اقول:**ومن ھھنا ظھر ان ماتقدم عن جامع الصغار عن الظھیریة اذا اھدی الصغیر شیا من الماکولات ان لم یکن عن نقله بالمعنی لان المسألة فی سائر الکتب فیما وھب شیئ للصغیر وقد نقل عن الظھیریة نفسها فی الغمز بلفظ اذا اھدی للصغیر شیئ کما سمعت فلیس مراده الا اھداؤه مما اھدی الیه لاان یبتدی الصبی فیھدی من ملکه شیا	بچہ کو پھل ہدیہ کیے گئے تو اس کے والدین کو اُن کا کھانا جائز ہے کیونکہ ہدیہ دراصل والدین کو ہی تھا بچہ کے ہاتھ میں اس لئے دیا گیا کہ ہدیہ کو معمولی سمجھا گیا۔(ت) **میں کہتا ہوں** اس سے معلوم ہوا کہ جو عبارت جامع صغیر سے ظہیریہ سے گزری کہ جب بچہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہدیہ کرے، اگر یہ اس کی نقل بالمعنی نہیں ہے کیونکہ تمام کتب میں یہ مسئلہ اس طرح مذکور ہے کہ کوئی چیز بچہ کو ہبہ کی گئی اور خود ظہیریہ میں غمز سے ان الفاظ میں منقول ہے کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہبہ کی گئی جیسا کہ تم نے سنا، تو ان کی مراد یہ ہے کہ بچّہ اس چیز سے ہدیہ کرے جو اس کو ہدیہ کی گئی ہو، یہ نہیں کہ بچہ ابتداء کرے اور اپنی مِلک سے کچھ ہدیہ کرے، اور اس کی دلیل

---

[40] الاشباہ والنظائر احکام الصبیان ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۴۵

[41] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثالث من الھبۃ پشاور ۴/ ۳۸۱

والدليل عليه قوله وشبه ذلك بضيافة المأذون فالمأذون(ا)لايضيف من مال نفسه بل مولاه ومولاه انما اذن فى التجارة لكن العوائد قضت ان امثال الضيافات لابدمنها فى التجارات فكان اذنه فى التجارة اذنا فيها كذلك الصبى لاهدى من مال نفسه بل مال المهدى والمُهدى انما سمى الصبى لكن فشت العوائد ان امثال الهدايا لايمنع عنها ابواه فكان اهداؤه اليه اهداء اليهما۔	ان کا یہ قول ہے کہ اور یہ مشابہ ماذون کو ضیافت کے ہے کہ ماذون اپنے مال سے ضیافت نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے مولٰی کے مال سے کرتا ہے اور اس کے مولٰی نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے، لیکن عرف میں یہ عادت ہے کہ تجارت میں اس قسم کی ضافتیں ہوتی ہی رہتی ہیں، تو تجارت کی اجازت دینا ضیافت کی اجازت کے مترادف ہے، اسی طرح بچہ اپنے مال سے ہدیہ نہیں دیتا ہے بلاکلہ ہدیہ دینے والے کے مال سے ہی ہدیہ دیتا ہے اور ہدیہ دینے والے نے بچہ کا نام لیا مگر عام طور پر عادت یہ ہے کہ اس قسم کے ہدایا سے ماں باپ کو منع نہیں کیا جاتا ہے تو بچوں کو ہدیہ دینا ماں باپ کو ہدیہ دینا سمجھا جاتا ہے۔(ت)
اقول: والوجه فيه ان المأكولات مما يتسارع اليها الفساد فيكون اذنا من المهدى لهما فى التناول دلالة وذلك بان يقع الملك لهما بخلاف مايدخر فظهر اصابة البحر والدر فى قولهما افادان غير المأكول لايباح لهما الا لحاجة [42] (۲)واندفع ماوقع للعلامة ش حيث قال بعد نقل مامر عنه عن التتارخانية عن فتاوى سمرقند قلت:وبه يحصل التوفيق ويظهر ذلك بالقرائن وعليه فلا فرق بين المأكول وغيره بل غيره اظهر [43] اھ	میں کہتا ہوں کھانے پینے کی چیزیں عام طور پر جلدی گل سڑ جاتی ہیں تو ہدیہ دینے والے کی طرف سے والدین کو اشارۃً کھانے کی اجازت سمجھی جائے گی، اور اس طرح مِلک والدین کے لئے ثابت ہوگی اور جو اشیاء جلد خراب ہونے والی نہیں ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے، تو بحر اور دُر کے قول کی صحت ظاہر ہوگئی، ان کا قول ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے کی نہیں ان کا استعمال والدین کے لئے جائز نہیں، ہاں حاجت کے وقت جائز ہے، اور علامہ "ش" کا اعتراض ختم ہوا انہوں نے تو وہ عبارت نقل کی جو تتارخانیہ، فتاوی سمرقند سے گزری، پھر فرمایا **میں کہتا ہوں**

[42] الدرالمختار کتاب الہبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[43] ردالمحتار کتاب الہبۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۲

اس سے موافقت ظاہر ہو گئی اور یہ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے اس میں ماکول اور غیر ماکول کا کوئی فرق نہیں بلاالکہ اس کا غیر اظہر ہے اھ۔یعنی ماکول کے ہبہ سے بچہ کا ارادہ اظہر ہے اور اکثر ہے تو جب وہاں کھانا جائز ہوا کسی ایسی دلیل کے نہ ہونے کے وقت جو ہدیہ کے بچہ کے ساتھ مختص ہونے کا تقاضا کرتی ہو تو یہ اولٰی ہے اور آپ کو اس کا جواب مل چکا ہے وباللہ التوفیق۔(ت)	ای فان ارادۃالولد بھبۃ المأکول اظھر واکثر فاذا ساغ الاکل ثمہ عند عدم دلیل یقتضی باختصاص الھدیۃ بالولد فھذا اولی وقد عرفت الجواب وباللہ التوفیق۔

بالجملہ یہ روایات غیر مِلک صبی میں ہیں اور یہاں کلام مِلک صبی میں کہ مباح پانی بلاشبہ بھرنے والے کی مِلک ہوگا جبکہ بروجہ اجارہ نہ ہو اور صبی کی مِلک والدین کو بے احتیاج حلال نہیں مقتضائے نظر فقہی تو یہ ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق مگر شک نہیں کہ عرف وعادت اس کے خلاف ہے اور وہ بھی دلائل شرعیہ سے ہے تو مناسب کہ اسے قلیل عفو قرار دیں جس پر قرآن وحدیث سے دلیل ہے **قال اللہ عزوجل:**

....الْیَتٰمٰی.قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ....

....فَاِخْوَانُكُمْ....اللّٰهُ....[44]

اور وہ آپ سے یتیموں کی بابت پُوچھتے ہیں فرمادیجئے ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ اپنا مال ملاکر کھاؤ وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے۔(ت)

اس آیت میں احد التفسیرین پر یتیم کے ساتھ جواز مخالطت مال ہے اور ظاہر کہ بحال مخالطت کامل امتیاز قریب محال ہے۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے:

اور زاہدی میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ مخالطت یہ ہے کہ تم اس کے پھل اس کا دودھ اور اس کے پیالہ میں کھاؤ اور وہ بھی اسی طرح تمہارے ساتھ تمہارے پھل کھائے اور تمہارا دودھ پئے اور تمہارے پیالے میں کھائے اور یہ آیت مخالطت کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں ہو جبکہ نفقہ کو	وفی الزاھدی قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما المخالطۃ ان تأکل من ثمرہ ولبنہ و قصعتہ وھو یاکل من ثمرتك ولبنك وقصعتك (۱)والاٰیۃ تدل علی جواز المخالطۃ فی السفر والحضر یجعلون النفقۃ علی السواء ثم لایکرہ ان یاکل احدھما اکثر لانہ لما جاز

[44] القرآن ۲ /۲۲۰

فی اموال الصغار فجوازہ فی اموال الکبار اولی ھذا لفظہ فاحفظہ فانہ نافع وحجۃ علی کثیر من المتعصبین فی زماننا[45] اھ۔ **اقول:**(۱)فاذن مافی جامع الصغار عن فتاوٰی رشید الدین من باب دعوی الاب والوصی لولم تکن الام محتاجۃ الی مالہ ولکن خلطت مالھا بمال الولد واشترت الطعام واکلت مع الصغر ان اکلت مازاد علی حصتھا لایجوز لانھا اکلت مال الیتیم [46] اھ۔معناہ الزیادۃ(۲)المتبینۃ ففی جامع الرموز عن الباب المذکور من الفتاوی المذبورۃ قبیل ھذا صبی یحصل المال ویدفع الی امہ والام تنفق علی الصبی وتأکل معہ قلیلا نحو لقمۃ اولقمتین من غیر زیادۃ لایکرہ[47]۔	برابر کار کھیں، پھر اس میں کوئی کراہت نہیں کہ ان میں سے کوئی زائد کھالے کیونکہ یہ چیز جب بچوں کے مال میں جائز ہے تو بڑوں کے اموال میں بطور اولٰی جائز ہے، یہ ان کے الفاظ ہیں ان کو بخوبی یاد رکھیں، یہ مفید بھی ہیں اور ہمارے عہد کے بہت سے متعصبین پر حجت بھی ہیں اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں،** تو جامع الصغار میں فتاوٰی رشید الدین سے (دعوی الاب والوصی میں) جو منقول ہے اگر ماں بچہ کے مال کی محتاج نہ ہو، لیکن اس نے بچہ کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھانا خریدا اور بچّہ کے ساتھ کھایا تو اگر اپنے حصہ سے زیادہ کھایا تو جائز نہیں کیونکہ اس نے یتیم کا مال کھایا اھ۔اس سے مراد یہ ہے کہ اتنی زیادتی جو بالکل واضح اور ظاہر ہو، اسی فتاوی کے مذکور باب سے جامع الرموز میں منقول ہے، اس سے کچھ ہی پہلے، کہ ایک بچہ ہے جو مال لاتا ہے اور ماں کو دیتا رہتا ہے اور ماں اس پر خرچ کرتی رہتی ہے اور لقمہ دو لقمہ خود بھی اس کے ساتھ کھاتی رہتی ہے زیادہ نہیں، تو یہ مکروہ نہیں ہے۔(ت)

صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عباس سے ہے:

قال کنت العب مع الصبیان فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتواریت خلف	فرمایا میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں

[45] تفسیرات احمدیۃ بیان اصلاح کریمی کتب خانہ بمبئی ص ۱۰۳
[46] جامع الصغار مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸
[47] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

باب فجاء فحطأنی حطأۃ عـــہ وقال اذھب ادع لی معویۃ[48]۔	ایک دروازہ کے پیچھے چھُپ گیا تو آپ میرے پاس تشریف لائے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے (پیار سے) تھپکی دی اور کہا کہ معٰویہ کو بلالاؤ۔(ت)

امام[1] نووی شرح میں فرماتے ہیں:

فیہ جواز ارسال صبی غیرہ ممن یدل علیہ فی مثل ھذا ولا یقال ھذا تصرف فی منفعۃ الصبی لان ھذا قدر یسیر ورد الشرع بالمسامحۃ فیہ للحاجۃ واطرد بہ العرف وعمل المسلمین[49]۔	اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بچہ کو اس جیسے کام کیلئے بھی بھیجا جاسکتا ہے اور اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ بچہ کی منفعت میں تصرف کیا کیونکہ یہ معمولی چیز ہے اور شریعت نے ضرورتًا اس قسم کی چیزوں کی اجازت دی ہے اور عام طور پر مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔(ت)

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ، نے حدیقہ ندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ سوم میں امر ابوین کو اجارہ پر قیاس کیا۔
اقول اولا: یہ صحت توکیل کو چاہتا ہے اور اعیان (۲) مباحہ میں توکیل خلاف نصوص ہے وعللوہ بوجوہ (اور انہوں نے اس کی کئی علتیں بیان کی ہیں)

الاول: ان صحۃ التوکیل تعتمد صحۃ امر الموکل بما وکل بہ وصحۃ الامر تعتمد الولایۃ ولا ولایۃ للموکل علی المباح ونقض بالتوکیل بالشراء فان الموکل لاولایۃ لہ علی المشری۔والثانی ان التوکیل احداث ولایۃ للوکیل ولا یصح ھنا لانہ یملك اخذ المباح بدون تملیکہ ونقض بالتوکیل	**اول:** توکیل کی صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ جو کام موکل نے وکیل کو سپرد کیا ہے وہ درست ہے اور اس کام کی صحت کا مدار ولایت پر ہے اور مُباح کام پر موکل کو کوئی ولایت نہیں ہے اور اس پر توکیل بالشراء سے اعتراض وارد ہے، کیونکہ موکل کو خریدی جانے والی چیز پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔**دوم:** توکیل کے معنی وکیل کیلئے ولایت

عـــہ: حطأنی بحاء ثم طاء مھملتین وبعدھما ھمزۃ وھو الضرب بالید مبسوطۃ بین الکتفین اھ حدیقہ ندیہ۔	حطاء نی حاء پھر طاء دونوں بغیر نکتہ کے اور ان کے بعد ہمزہ ہے، معنٰی ہے دو کندھوں کے درمیان ہاتھ سے تھپکی دینا اھ حدیقہ ندیہ۔(ت)

[48] صحیح للمسلم باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۵
[49] شرح للنووی باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۵

بشراء شیئ لابعینه فان الوکیل یملکه قبل التوکیل وبعده واجاب فی العنایة ان معناه یملکه بدون امر الموکل بلا عقد وصورة النقض لیست کذلك فانه لایملکه الا بالشراء[50]اھ۔

اقول:(ا)رحمك الله تعالٰی لیس المراد ملك العین بل ولایة ذلك الفعل کالاخذ ثمه والشراء ھھنا وھو لایملکه بالعقد بل العقد ناشیئ عن ملکه ثم رأیت سعدی افندی اومأ الیه اذقال فیه تأمل فان الموکل به ھو الشراء فالوکیل یملکه فلا یندفع النقض[51]اھ۔ والصواب فی الجواب انه لم یکن له من قبل ولایة ان یشغل ذمة الموکل بالثمن ورده المحقق فی الفتح بان حاصل ھذا ان التوکیل بما یوجب حقا علی الموکل یتوقف علی اثباته الولایة علیه فی ذلك والکلام فی التوکیل بخلافه[52]اھ ای باخذ المباح فانه لایثبت فیه حق علی الموکل۔

کا ایجاد کرنا ہے اور وہ یہاں درست نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی تملیک کے بغیر ہی مباح کو لے سکتا ہے اور اس پر یہ نقض ہے کہ کسی کو غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا، کیونکہ وکیل تو توکیل سے پہلے اور اس کے بعد بھی اس کا مالک ہے۔ اور عنایہ میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا مالک ہے موکل کے حکم کے بغیر، اور بغیر عقد کے۔ اور نقض کی صورت یہ نہیں ہے، کیونکہ وہ خریدے بغیر اس کا مالک نہیں ہے اھ۔ (ت) **میں کہتا ہوں**

اس سے مراد ملک عین نہیں ہے ب ملک عین نہیں ہے بلکہ اُس کام کے کرنے کا اختیار ہے جیسے وہاں لینا اور یہاں خریدنا، اور وہ عقد کی وجہ سے اس کا مالک نہیں، بلاالکہ عقد تو خود اس کی مِلک سے پیدا ہوتا ہے پھر میں نے دیکھا کہ سعدی افندی نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں اس میں تامل ہے، کیونکہ جس چیز کا وکیل بنایا ہے وہ "شرا" ہے تو وکیل اس کا مالک ہے، تو نقض مرتفع نہ ہوگا اھ۔ تو اس کا صحیح جواب یہ ہوگا کہ موکل کو پہلے یہ ولایت حاصل نہ تھی کہ وہ موکل کے ذمہ کو ثمن کے ساتھ مشغول رکھے، اور محقق نے اس کا فتح میں رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایسی چیز کی توکیل جو موکل پر حق ثابت کرے اس امر پر موقوف ہے کہ وہ اس پر ولایت کو ثابت کرے اور گفتگو توکیل میں اس کے برخلاف ہے اھ۔ یعنی مباح کے لینے میں، کیونکہ اس میں موکل پر حق ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

[50] عنایۃ مع الفتح القدیر الشرکۃ الفاسدۃ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۰۹

[51] حاشیۃ چلپی الشرکۃ الفاسدۃ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۰۹

[52] فتح القدیر الشرکۃ الفاسدۃ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۱۰

اقول: (۱) هذا اعتراف بالمقصود فان التوكيل مطلقاً اثبات ولاية للوكيل لم تكن من قبل ولايوجد ههنا فلايصح التوكيل به بخلاف الشراء وليس ان احداث الولاية مطلوب خصوصاً فى التوكيل بما يوجب حقاً على الموكل حتى يقال ليس التوكيل باخذ المباح من هذا الباب فلا يحتاج الى احداث الولاية۔ **والثالث** ان المقصود بالتوكيل نقل فعل الوكيل الى الموكل ولا يتحقق ههنا فان الشرع جعل سبب ملك المباح سبق اليد اليه والسابقة يد الوكيل فيثبت الملك له ولا ينتقل الى الموكل الا بسبب جديد اشار اليه المحقق۔	**میں کہتا ہوں** یہ مقصود کا اعتراف ہے کیونکہ توکیل مطلقاً وکیل کے لئے ولایت کا اثبات ہے، ایسی ولایت جو اس کو پہلے حاصل نہ تھی، اور وہ یہاں پائی نہیں جاتی ہے، تو اس کی توکیل صحیح نہ ہوگی، اور شراء میں یہ چیز نہیں ہے، اور ولایت کا ایجاد و احداث مطلوب نہیں ہے خاص طور پر اس توکیل میں، جو موکل پر کسی حق کو واجب کرتی ہو، اگر ایسا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ مباح کے لینے پر وکیل بنانا اس باب سے نہیں ہے، تو اس میں ولایت کی ایجاد کی حاجت نہیں ہے۔ (ت) سوم: توکیل سے مقصود یہ ہے کہ وکیل کے فعل کو موکل کی طرف نقل کیا جائے اور یہ چیز یہاں متحقق نہیں کیونکہ شریعت نے مباح کی ملکیت کا سبب قبضہ میں پہل کو قرار دیا ہے، اور یہاں وکیل نے قبضہ میں پہل کی ہے، تو ملک اس کیلئے ثابت ہوگی اور موکل کی طرف اسی وقت منتقل ہوگی جبکہ اس کا سبب جدید ہو، محقق نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ت)

ثانیاً: یہ قیاس صحیح ہو تو صرف ظرف پر حکم نہ رہے بلاکہ والدین کی نیت سے لیناہی اُن کے لئے مثبت ملک ہوا اگرچہ اُن کے ظرف میں نہ لے کہ مقیس علیہ اعنی اجارہ مذکورہ میں حکم یہی ہے اصل مدار (۲) نیت پر ہے جبکہ نہ اجیر کا یہ وقت بکا ہے نہ شیئ معین ہے تو وہ اپنے لئے بھی لے سکتا ہے اور اپنے مستاجر کیلئے بھی جس کیلئے لے گا اُسی کی ملک ہوگی، ہاں اگر لیتے وقت کسی کی نیت نہ تھی یا وہ کہے میں نے اپنے لئے نیت کی تھی اور مستاجر کہے میرے لئے کی تھی تو اُس وقت ظرف پر فیصلہ رکھیں گے اُس کے ظرف میں لی تو اُس کیلئے ہے ورنہ اپنے لئے۔

واصل ذلك الوكيل بشراء شيئ لابعينه الحكم (۳) فيه للاضافة فان لم توجد فللنية فان لم توجدا وتخالفا فيها فللنقد اى ان اضاف العقد الى مال الموكل فالشراء للموكل	اور اس کی اصل یہ مسئلہ ہے کہ کسی شخص کو غیر معین شیئ کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس میں حکم اضافت کا ہے، اگر اضافت نہ پائی گئی تو نیت معتبر ہوگی، اگر نیت بھی نہ پائی گئی یا دونوں میں اختلاف ہوا تو حکم

وان زعم انه اشتری لنفسه اوالی مال نفسه فلنفسه اوالی مطلق مال فلایهما نوی کان له فان لم تحضره النیة عند الشراء اوقال نویت لی وقال الموکل اوبالعکس حکم النقد فی الثانی بالاجماع وفی الاول عند ابی یوسف خلافا لمحمد فانه یجعل اذن للعاقد [53] وقع فی ردالمحتار عکس هذا وهو سهو۔

اقول:(۱)وقدم قاضی خان قول ابی یوسف واخر فی الهدایة دلیله فافادا ترجیحه وقال فی البحر تحت قول الکنز ان کان بغیر عینه فالشراء للوکیل الا ان ینوی للموکل اویشتریه بماله مانصه ظاهر مافی الکتاب ترجیح قول محمد من انه عند عدم النیة یکون للوکیل لانه جعله للوکیل الا فی مسألتین [54] اھ۔ای النیة للموکل واضافة العقد الی ماله اذهو المراد من الشراء بماله کما فی الهدایة فاذالم یضف ولم ینو کان للعاقد کما هو

نقد کا ہے، یعنی اگر عقد کو موکل کے مال کی طرف مضاف کیا تو خریدنا موکل کیلئے ہوا اگرچہ اس نے یہ گمان کیا کہ اُس نے اپنے لئے خریدا ہے،اور اگر اضافت خود اس کے مال کی طرف ہے تو خریدنا اس کیلئے ہوا،اور اگر مطلق مال کی طرف اضافت ہے تو دونوں میں سے جس کی نیت کی اس کیلئے ہوگا،اور اگر خریدنے کے وقت کوئی نیت ہی نہ تھی یا کہا کہ میں نے اپنے لیے نیت کی تھی اور موکل نے کہا کہ میرے لئے کی تھی یا بالعکس تو دوسرے میں بالاجماع نقد کو حکم بنایا جائیگا اور پہلے میں صرف ابو یوسف کے نزدیک ہوگا،امام محمد اس کو اس صورت میں عاقد کیلئے قرار دیتے ہیں،اور ردالمحتار میں اس کا برعکس کہا ہے اور یہ سہو ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں قاضی خان نے ابو یوسف کا قول مقدم کیا ہے اور ہدایہ میں اس کی دلیل کو موخر کیا ہے جس سے اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے،اور بحر نے کنز کے اس قول کے تحت فرمایا کہ اگر غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو شراء وکیل کیلئے ہے، مگر یہ کہ موکل کی نیت کرلے یا اس کو اپنے مال سے خریدے۔ان کی عبارت یہ ہے کتاب میں جو ہے اس سے بظاہر محمد کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، یعنی یہ کہ نیت نہ ہونے کی صورت میں وہ شراء وکیل کیلئے ہوگی، کیونکہ انہوں نے شراء وکیل کیلئے ہی کی ہے سوائے دو مسئلوں کے اھ۔یعنی یہ کہ نیت

[53] عنایۃ مع فتح القدیر وکالۃ بالشراء سکھر ۷/ ۴۵

[54] بحر الرائق وکالۃ بالبیع والشراء سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۰

مذہب محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔ **اقول:** (ا)لکن الامام ابا یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انما حکم النقد لانہ دلیل النیۃ قال فی الھدایۃ عند ابی یوسف یحکم النقد لان مع تصادقھما یحتمل النیۃ للاٰمر وفیما قلناہ حمل حالہ علی الصلاح کما فی حالۃ التکاذب[55] قال فی العنایۃ(یحتمل)انہ کان نوی للاٰمر ونسیہ (وفیما قلنا)یعنی تحکیم النقد(حمل حالہ علی الصلاح)لانہ اذا کان النقد من مال الموکل والشراء لہ کان غصبا(کما فی حالۃ التکاذب[56]) اھ۔ فعلم ان تحکیم النقد داخل فی اعتبار النیۃ ولایستغرب مثلہ فی ایجاز الکنز۔	موکل کیلئے ہو اور اضافت اُس کے مال کی طرف ہو،اس لئے کہ اس کے مال سے خریدنے کا یہی مطلب ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، توجب اضافت نہ کی اور نیت بھی نہ کی تو عاقد کیلئے ہو گی جیسا کہ محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں،** لیکن امام ابویوسف نے نقد کو حکم بنایا کیونکہ وہ نیت کی دلیل ہے۔ ہدایہ میں فرمایا ابویوسف کے نزدیک نقد کو حکم بنایا جائیگا، کیونکہ اگر وہ دونوں اتفاق کرلیں تو احتمال ہے کہ نیت حکم دینے والے کی ہو،اور جو ہم نے کہا ہے اس میں اُس کے حال کو صلاح پر محمول کیا گیا ہے، جیسے کہ دونوں ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے، عنایہ میں فرمایا(احتمال ہے)کہ اُس نے حکم دینے والے کیلئے نیت کی ہو اور پھر بھُول گیا ہو(اور جو ہم نے کہا اُس میں)اس سے مراد نقد کو حکم بنانا ہے(اس کے حال کو صلاح پر محمول کرنا ہے) کیونکہ جب ادائیگی موکل کے مال سے ہو اور خریدنا اس کے لئے ہو تو یہ غصب ہوگا(جیسے کہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے)اھ۔تو معلوم ہوا کہ نقد کو حکم بنایا نیت کے اعتبار میں داخل ہے اور کنز کے ایجاز میں ایسی بات عجیب نہیں ہے۔(ت)

بالجملہ قول سوم خلاف اصول و مخالف منقول ہے اور قول اول میں حرج بشدت اور دوم کہ نص محرر المذہب سے ماثور مؤید بعرف وکتاب وسنت للذا فقیر اُسی کے اختیار میں اپنے رب عزوجل سے استخارہ کرتا ہے و باللہ التوفیق تو ثابت ہوا کہ احکام مذکورہ صور استیلاء میں نسبت ابوت وبنوت سے کوئی تغیر نہیں آتا جب یہ اصل بعونہ تعالٰی ممہد ہولی واضح ہوا کہ نابالغ کا بھرا ہوا پانی ایک نہیں بہت سے پانی ہیں جن کا سلسلہ شماریوں ہے۔

(۳۲) وہ پانی کہ نابالغ نے آب مملوک مباح سے لیا۔

[55] الہدایۃ وکالۃ بالبیع والشراء مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۱۸۳

[56] عنایۃ مع الفتح القدیر وکالۃ بالبیع والشراء نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۶

(۳۳) وہ کہ مملوک غیر مباح سے بے اجازت لیا۔

(۳۴) وہ کہ اس سے باجازت لیا مگر مالک نے اسے ہبہ نہ کیا صرف بطورِ اباحت دیا۔

(۳۵) نابالغ خدمتگار نے آقا کے لئے نوکری کے وقت میں بھرا۔

(۳۶) خاص پانی ہی بھرنے پر اُس کا اجیر بتعیین وقت تھا اُسی وقت میں بھرا۔

(۳۷) مستاجر نے پانی خاص معین کر دیا تھا مثلاً اس حوض یا تالاب کا کل پانی۔

اقول: اور یہ تعین نہ ہوگا کہ اس حوض یا کنویں سے دس مشکیں کہ دس مشک باقی سے جدا نہیں جس کی تعیین ہوسکے۔

(۳۸) اس نے باذن ولی یہ مزدوری کی اور کہتا ہے کہ یہ پانی مستاجر کیلئے بھرا۔

(۳۹) اسی صورت میں اگرچہ زبان سے نہ کہا مگر اُس کے برتن میں بھرا۔

(۴۰) نابالغ کسی کا مملوک ہے ان نو صورتوں میں وہ نابالغ اُس پانی کا مالک ہی نہ ہوا پہلی تین صورتوں میں مالک آب کا ہے پھر ۳۵ سے ۳۹ تک پانچ صورتوں میں مستاجر کا۔ اخیر میں اگر باذنِ مولٰی کسی کے لئے اجارہ پر بھرا اور وہی صورتیں ملک مستاجر کی پائی گئیں تو پانی مستاجر کا ورنہ بہرحال اس کے مولٰی کا یہاں تک کہ خاص اپنے لئے جو بھرا ہو وہ بھی مولٰی ہی کی مِلک ہوگا۔ یہ پانی جس جس کی مِلک ہو اُسے تو جائز ہی ہیں اُس کی اجازت سے ہر شخص کو جائز ہیں جبکہ وہ عاقل بالغ مختار اجازت ہو بلالکہ بحال' انبساط اجازت لینے کی بھی حاجت نہیں مثلاً کسی کے نابالغ نوکر اجیر یا غلام نے پانی بھرا اس کے بھائی یا دوست جو اس کے ایسے مال میں تصرف کرتے اور وہ پسند رکھتا ہے اُس سے بے پُوچھے بھی نابالغ مذکور کا بھرا ہوا پانی اُس سے لے کر اپنے صرف میں لا سکتے بلکہ غلام سے مطلقاً اور اُس کے نوکر سے وقت نوکری میں بھروا سکتے ہیں کہ بہرحال اُس دوست کی مِلک میں تصرف ہے نہ نابالغ کی۔

(۴۱) نابالغ [۲] حُر کو مالک آب نے پانی تملیکاً دیا۔

(۴۲) حُر غیر اجیر نے آب مباح غیر مملوک سے اپنے لئے بھرا۔

(۴۳) دوسرے کیلئے بطور خود۔

(۴۴) اُس کی فرمائش سے بلا معاوضہ۔

(۵۴) اجیر کے آقا کے کہنے سے بھرا اگر اس کے یہاں کسی اور خاص کام کیلئے نوکر تھا جس میں پانی بھرنا داخل تھا۔

(۴۶) داخل تھا جیسے خدمت گاری مگر نوکری کے وقتِ مقرر سے باہر بھروایا۔

(۴۷) خاص پانی ہی بھرنے پر اسے اجیر کیا نہ وقت مقررہ ہوا نہ پانی معین نہ یہ مقرر کہ اُس کے لئے بھرا نہ اُس کا برتن تھا جس میں بھرا۔

(۴۸) وقت مقرر ہوا اور اُس سے باہر یہ کام لیا ان آٹھ صورتوں میں وہ پانی اُس نابالغ کی مِلک ہے اور اُس میں غیر والدین کو تصرف مطلقاً حرام حقیقی بھائی اُس پانی سے نہ پی سکتا ہے نہ وضو کرسکتا ہے ہاں طہارت ہو جائے گی اور ناجائز تصرف کا گناہ اور اُتنے پانی کا اس پر تاوان رہے گا مگر یہ کہ اس کے ولی سے یا بچّہ ماذون[۱] ہو جس کے ولی نے اسے خرید فروخت کا اذن دیا ہے تو خود اس سے پُورے داموں خرید لے ورنہ[۲] مفت یا غبن فاحش کے ساتھ نابالغ کی مِلک دوسرے کو نہ خود وہ دے سکتا ہے نہ اُس کا ولی۔ رہے والدین وہ بحالت حاجت مطلقاً اور بے حاجت حسبِ روایت امام محمد اُن کو جائز ہے کہ اُس سے بھروائیں اور اپنے صرف میں لائیں باقی صورتوں میں اُن کو بھی رواہ نہیں مگر وہی بعد شرا۔

تنبیہ ۱: یہاں[۳] سے اُستاد سبق لیں معلموں کی عادت ہے کہ بچّے جو اُن کے پاس پڑھنے یا کام سیکھنے آتے ہیں اُن سے خدمت لیتے ہیں یہ بات باپ دادا یا وصی کی اجازت سے جائز ہے جہاں تک معروف ہے اور اس سے بچّے کے ضرر کا اندیشہ نہیں مگر نہ اُن سے پانی بھروا کر استعمال کرسکتے ہیں نہ اُن کا بھرا ہوا پانی لے سکتے ہیں۔

اقول: وعرفهم الحادث علی خلاف الشرع لا يعبؤبه فانه لم يكن فيمن مضی من اهل الخير ومر الامام الكسائی رحمه الله تعالٰی علی سكة عطشان فاستسقی من بعض بيوتها ثم تذكر انه اقرأ بعض اهلها فمر ولم يشرب۔	**اقول:** اور ان کی نئی اصطلاح جو شریعت کے برخلاف ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں یہ اصطلاح سلف صالحین کے زمانہ میں نہ تھی۔ ایک مرتبہ امام کسائی کا گزر ایک گلی سے ہوا آپ پیاسے تھے تو ایک گھر سے پانی طلب کیا، پھر انہیں یاد آیا کہ انہوں نے اس گھر کے کچھ لوگوں کو پڑھایا ہے، چنانچہ آپ نے پانی واپس کردیا اور پیاسے ہی وہاں سے گزر گئے۔ (ت)

تنبیہ ۲: کنویں کا پانی جب تک کنویں سے باہر نہ نکال لیا جائے کسی کی مِلک نہیں ہوتا فان سببه الملك الاحراز ولا احراز الابعد التنحية عن رأس البئر[57] (سببِ مِلک احراز ہے اور احراز پانی کو کنویں کی منڈیر سے الگ کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ ت) تو استاد[۱] جسے بچّے سے خدمت لینے کا اختیار ہے یہ کرسکتا ہے کہ پانی بچّے سے بھروائے یہاں تک کہ ڈول کنویں کے لب تک آئے اُس کے بعد خود اسے نکال لے کہ یہ پانی بچّے کی مِلک نہ ہوگا بلالکہ خود اُس کی۔

فی الهندية عن القنية والساقين	ہندیہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ جو شخص

[57] اس کی تحقیق نمبر ۲۶ میں گزری ۱۲ (م)

من البئر لایملك بنفس ملأ الدلو حتی ینحیه عن رأس البئر[58] اھ۔	کنویں سے پانی بھرتا ہے وہ محض ڈول کے بھرنے سے پانی کا مالک نہیں ہو جائے گا، اُس وقت مالک ہوگا جب اُس پانی کو کنویں کی منڈیر سے الگ کرکے رکھ دے اھ۔
وفی ردالمحتار لواحرزہ فی جرۃ اوجب اوحوض مسجد من نحاس اوصفر اوجص وانقطع جریان الماء فانه یملکه وانما عبربالاحراز لا الاخذ اشارۃ الی انه لوملأ الدلو من البئر ولم یبعدہ عن رأسها لم یملك عند الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنهما اذ الاحراز جعل الشیئ فی موضع حصین[59] اھ۔	اور ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے ٹھلیا، مٹکے یا مسجد کے حوض میں پانی جمع کیا، یہ حوض تانبے، پیتل یا گچ کا ہو، اور اس طرح پانی کا بہنا بند ہوگیا ہو تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، انہوں نے اس کو اِحراز سے تعبیر کیا، اخذ سے نہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر ڈول کنویں سے بھرا مگر وہاں سے ہٹایا نہیں تو شیخین کے نزدیک وہ اس کا مالک نہ ہوگا کیونکہ "اِحراز" کے معنی کسی چیز کو محفوظ جگہ پر رکھنے کے ہیں اھ۔ (ت)
اقول: فاذالم یملکه کان باقیا علی اباحته فالذی نحاہ هو الذی احرز المباح فیملکه اھ۔	**میں کہتا ہوں** جب یہ شخص اس طرح اس کا مالک نہ ہوا تو پانی اپنی اباحت پر ہی باقی رہا، تو جس نے اس کو کنویں سے ایک طرف ہٹا کے رکھا اس نے اس اس کو محفوظ کیا تو وہی اس کا مالک ہوا۔ (ت)

تنبیہ ۳: بہشتیوں (۱) کے بچّے اکثر کنویں پر پانی بھرتے ہیں لوگوں کی عادت ہے کہ ان سے وضو یا پینے کو لے لیتے ہیں یہ حرام ہے اور عوام کو اس میں ابتلائے عام ہے **ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔**

اقول: مگر یہاں ۲ ایک دقیقہ ہے یہ بچّے داموں پر پانی بھرتے ہیں اور کہیں مشکیں مقرر ہوتی ہیں کہیں گھر کے برتن معین یہ شخص جس نے نابالغ بہشتی سے پانی لیا اگر وہ ۱ اس کے یہاں نہیں بھرتا تو اسے مطلقاً جائز نہیں اور اگر بھرتا ہے مگر یہ ۲ مشک جسے وہ بھر رہا تھا اور اُس کے ڈول سے پانی اس نے لیا دوسرے کے یہاں لے جائے گا تو ناجائز ہے اور اگر ۳ اسی کے یہاں لے جانے کو ہے مگر قرار داد برتنوں کا بھرنا ہے اور وہ پورے بھر دئے جائیں گے تو ناجائز ہے کہ یہ پانی اُس سے زائد ہے یوں ۴ ہی اگر مشکوں کا قرار داد ہے اور یہ مشک بھی اُس سے پُوری لی تو ناجائز ہے ہاں ۵ اگر یہ مشک اتنی خالی لی تو ایسا ہوا کہ اتنا پانی گھر پر نہ پہنچوایا یہیں لے لیا یا ۶ برتنوں کا قرار داد ہے اور اتنا خالی رکھنے کو کہہ دیا یا ۷ جس دوسرے کے یہاں یہ مشک لے جاتا ہے اُس سے

---

[58] فتاوٰی ہندیۃ الباب من کتاب الشرب نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۹۲

[59] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۱

اس قدر پانی کی اجازت لے لی اور اُس نے مشک یا برتن اتنے خالی رکھوائے تو جائز ہونا چاہئے کہ اگرچہ پانی[1] ابھی سقاہی کی مِلک تھا جب برتنوں میں ڈالے گا اُس وقت اس کی بیع ہوگی اور جس کے یہاں بھرا گیا اُس کی مِلک ہوگا یہ اس لئے کہ بہشتی اجیر مشترک ہیں نہ اُن کا وقت معین ہوتا ہے نہ اتنا پانی قابل تعین ہے اور اپنے ڈول سے بھرتے ہیں اور جب تک مشک کہیں ڈال نہ دیں پانی اپنا ہی جانتے ہیں اُس میں جو چاہیں تصرف کرتے ہیں لہٰذا اُس وقت تک پانی انہی کا ہوتا ہے مگر مقصود اس مول لینے والا کا قبضہ ہے اور اس کی اجازت سے جو تصرف ہو وہ اسی کا قبضہ ہے اگر دس مشکیں اس کے یہاں ٹھہری ہوئی ہیں اور وہ کہے کہ اُن میں سے دو کا چھڑکاؤ یہیں سڑک پر کردو ضرور بیع صحیح ہوجائیگی اسی طرح اگر اس میں سے ایک لوٹا یا جس قدر چاہا زید کو دلوایا، **ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)**

تنبیہ ۴: معتوہ[2] بوہرا جس کی عقل ٹھیک نہ ہو تدبیر مختل ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کرے کبھی پاگلوں کی مگر مجنون کی طرح لوگوں کو محض بے وجہ مارتا گالیاں دیتا اینٹیں پھینکتا نہ ہو وہ تمام احکام میں صبی عاقل کی مثل ہے تو یہ سب احکام بھی اُس میں یوں ہی جاری ہوں گے۔

اقول: مگر غنی ماں[3] باپ کا اُس کے بھرے ہوئے سے انتفاع امام محمد سے در بارہئ صبی مروی اور اُس کا مبنی عرف وعادت اور معتوہ میں اس کی عادت ثابت نہیں اور منع میں بوجہ ندرتِ عتہ لزوم حرج نہیں تو یہاں ظاہرًا قول اول ہی مختار ہونا چاہئے **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

فائدہ: یہاں تک وہ پانی تھے جن میں اُن کا غیر نہ مِلا آگے خلط غیر کی صورتیں ہیں۔

(۴۹ تا ۶۵) کتب کثیرہ معتمدہ میں تصریح ہے کہ اگر نابالغ[4] نے حوض میں سے ایک کوزہ بھرا اور اس میں سے کُچھ پانی پھر اُس حوض میں ڈال دیا اب اُس کا استعمال کرنا کسی کو حلال نہ رہا۔

فی ش[1] عن ط[2] عن الحموی[3] عن الدرایۃ[4] عن الذخیرۃ[5] والمنیۃ[6] وفی غمزالعیون[7] عن شرح المجمع[8] لابن الملك عن الذخیرۃ وفی الاشباہ[9] من احکام الصبیان وفی الحدیقۃ الندیۃ[10] عن الاشباہ فی النوع العشرین من اٰفات اللسان وفی غیرھا من الکتب الحسان عبد اوصبی اوامۃ ملأ الکوز من ماء الحوض واراق	ش میں ط سے حموی سے درایہ سے ذخیرہ سے اور منیہ سے ہے اور غمزالعیون میں شرح مجمع سے یہ ابن ملک کی کتاب ہے ذخیرہ سے ہے، اور اشباہ میں احکام الصبیان میں اور حدیقہ ندیہ میں اشباہ آفات اللسان کی بیسویں نوع میں اور دوسری کتب میں ہے کسی غلام بچّہ یا باندی نے حوض کے پانی س لوٹا بھرا پھر اس میں سے کچھ اُسی کے اندر انڈیل دیا تو اب کسی کے لئے جائز نہیں کہ اِس حوض سے

بعضه فيه لايحل لاحدان يشر من ذلك الحوض لان الماء الذي في الكوز يصير ملكا للاٰخر فاذا اختلط بالماء المباح ولا يمكن التمييز لايحل شربه [60]۔	پانی پئے کیونکہ حوض کا پانی لینے والے کی ملک ہو جاتا ہے تو جب یہ ملک مباح سے مل گیا اور اس میں تمیز ممکن نہیں تو اس کا پینا حلال نہ ہوگا عـہ۔ (ت)

علامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے اسے نقل کرکے فرمایا اس حکم میں حرج عظیم ہے۔

اقول: یہاں بہت استثناو تنبیہات ہیں: **اول:** مراد (۱) آب مباح غیر مملوک ہے تو حکم نہ ہر حوض کو شامل نہ حوض سے خاص بلالکہ کنوؤں کو بالعموم حاوی ہے کہ کُنواں اگرچہ مملوک ہو اس کا پانی مملوک نہیں **کما تقدم تحقیقه** (جیسا کہ اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔ت) اور وہ حوض جس کا پانی مملوک ہے اُس کا مالک اگر عاقل بالغ ہے تو بچّہ ہزار بار اس میں سے پانی بھر کر اس میں پلٹ دے کچھ حرج نہ آئے گا کہ مال جس کا (۲) تناول اس کے مالک نے مباح کیا ہو بعد اخذ تصرف بھی ملک مالک سے خارج نہیں ہوتا یہاں تک کہ دعوت کا کھانا کھاتے وقت بھی میزبان ہی کی مِلک پر کھایا جاتا ہے تو بچہ اس پانی کا مالک ہی نہ ہوگا اصل پانی کی ملک پر رہے گا اور ڈال دینے سے اُسی کی ملک میں جائے گا۔ **دوم:** ہماری تحقیقاتِ بالا سے واضح ہوا کہ ہر مباح بھی مطلقاً آخذ کی ملک نہیں ہو جاتا تو پانی کو مباح و مملوک کو شامل لے کر وہی سترہ ۱۷ صورتیں یہاں بھی پیدا ہوں گی جو نابالغ کے بھرے ہوئے پانی میں گزریں نو ۹ صورتوں میں وہ پانی اُس بھرنے والے کی مِلک نہ ہوگا بلالکہ اصل مالک آب یا مستاجر یا مولیٰ کی مِلک ہوگا وہ اگر عاقل یا

عـــہ: حکم کی شدت نے اس مسئلہ کو مشکل بنادیا ہے کیونکہ عوام وخواص کے ابتلاء کی وجہ سے یہ حکم بموجب حرج اور تنگی ہے جبکہ ابتلاء عوام داعی یسر و آسانی ہے اللہ تعالیٰ بے حساب رحمتیں نازل فرمائے فقہاءِ کرام پر جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت فرمائی اور ایسے پیچیدہ اور مشکل مسائل کو حل فرمایا جس سے عوام الناس کیلئے آسانی اور سہولت کی راہ ہموار ہوئی چنانچہ امام احمد رضا بریلوی (مصنف) نے اس مسئلہ کی شدّت کو محسوس فرمایا اور انہوں نے فقہاء احناف کے اقوال کی روشنی میں اس کا حل صفحہ ۵۳۷ پر خود بیان فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے مسئلہ مذکورہ اگرچہ جنابت وطہارت کا نہیں بلالکہ اسکا تعلق حظر واباحت سے ہے، تاہم پاک پانی میں نجس پانی کے اختلاط کے مسئلہ میں فقہاءِ احناف کے بیان کردہ قواعد کی روشنی میں اس کو حل کیا جاسکتا ہے عراقی فقہاء نے پاک پانی میں نجس پانی گرنے سے متعلق فرمایا کہ بڑے حوض کے کثیر پانی میں جس جگہ نجس پانی گرا ہو اس جگہ کو چھوڑ کر باقی حوض سے وضو جائز ہے کیونکہ باقی جگہوں تک نجاست کا پہنچنا مشکوک ہے لہٰذا شک کی بناپر باقی پانی کی طہارت زائل نہ ہوگی جبکہ جمہور فقہاء نے ایسی صورت میں تمام حوض حتّٰی کہ جس جگہ نجاست گری ہے اس جگہ پر بھی وضو کو جائز فرمایا کیونکہ پانی طبعی طور پر سیال ہے اور ہواؤں وغیرہ کی تحریک کی وجہ سے پانی ایک جگہ ساکن نہیں رہتا لہٰذا حوض کے باقی حصّوں میں نجاست پہنچنے نہ پہنچنے کے احتمال کی وجہ سے باقی بلالکہ تمام پانی کو بالیقین نجس نہیں کہہ سکتے لہٰذا نجاست کا یقین زائل ہو جانے پر پانی کا اصل حکم یعنی طہارت باقی رہے گا اس طرح حوض کے ہر حصہ کے پانی کو پاک قرار دیا جائیگا، عراقی یا جمہور فقہاء کرام کے ضابطہ پر نابالغ بچّے کی ملکیت پانی کو قیاس کرتے ہوئے مذکورہ مشکل مسئلہ کا حل واضح ہو جاتا ہے، عراقی ضابطہ کے پیش نظر جہاں نابالغ بچّے کا پانی گرا اُس جگہ کو چھوڑ کر باقی تمام پانی کا استعمال مباح ہوگا جبکہ جمہور فقہاء کے ضابطہ کے تحت نابالغ کے پانی گرنے کی جگہ سمیت تمام پانی مباح ہوگا مصنّف کی اصل عبارت میں تفصیل موجود ہے۔
عبدالستار سعیدی

---

[60] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۲/۵

بالغ نہیں تو البتہ یہی دقّت عود کرے گی ورنہ اُس عاقل بالغ کی اجازت پر توقف رہے گا۔

سوم: صبی کی خصوصیت نہیں معتوہ بھی اسی کے حکم میں ہے **کما تقدم**۔

چہارم: جس طرح کلامِ علماء میں پینے کا ذکر مثال ہے مراد کسی قسم کا استعمال ہے اسی طرح کچھ یہی شرط نہیں کہ حوض یا کنویں سے پانی لے کر ہی ان میں ڈالے یا جس حوض یا چاہ سے لیا اس میں واپس دے یا وہ نابالغ ہی اپنے ہاتھ سے ڈالے بلاکلہ مقصود اُسی قدر ہے کہ مال مباح میں نابالغ کی مِلک کا اس طرح مل جانا کہ جُدا نہ ہوسکے تو اگر صبی[1] کی مِلک کا پانی اُس کے گھر سے لاکر کسی شخص اگرچہ خواہ اُس کے ولی نے کسی کنویں یا مباح حوض میں ڈال دیا اس کا استعمال تابقائے آب مذکور ناجائز ہوگیا۔

پنجم: ظاہر ہے کہ یہ عدم جواز اوروں کے حق میں بوجہ اختلاط ملک صبی ہے خود صبی استعمال کرسکتا ہے کہ وہ نہیں مگر اسکی ملک یا مباح۔

ششم: اُس کے[2] ماں باپ بھی بشرطِ حاجت بالاتفاق اور بلاحاجت روایت امام محمد پر استعمال کرسکتے ہیں تو **لایحل لاحد** (کسی کیلئے جائز نہیں۔ت) عام مخصوص ہے۔ ہفتم: اگر وہ کنواں یا حوض ترک کردیں اور صبی بلوغ کو پہنچے اور اُس وقت اس پانی کو مباح کردے تو اب کوئی مانع نہیں۔

ہشتم: اگر وہ صبی انتقال کرجائے اس کے سب ورثہ عاقل بالغ ہوں تو اب ان کی اجازت پر دقّت نہ رہے گی اور اگر ایک ہی وارث ہے تو اسے خود حلال خالص ہے کسی کی اجازت کی بھی حاجت نہیں۔

نہم: اگر وہ پانی کہ صبی کی ملک سے اُس میں مخلوط ہوا باقی نہ رہے تو اب سب کو مباح ہوجائے گا کہ مانع زائل ہوگیا۔

دہم: مسئلہ[3] سابقہ یعنی نابالغ کے بھرے ہوئے پانی میں جو ایک صورتِ جواز اُس سے اگر ماذون ہو ورنہ اُس کے دل سے خرید لینے کی تھی یہاں جاری نہیں ہوسکتی کہ مِلک صبی کا پانی جب اُس آبِ مباح میں مل گیا قابلِ بیع نہ رہا کہ مقدور التسلیم نہیں۔

یازدہم: آبِ مباح کی ضرورت بھی اُس حالت میں ہے کہ بچّہ کا اُس میں سے بھر کر اُس میں ڈال دینا لیں کہ مباح پر ملک یوں ہی ہوگی ورنہ[4] مِلک نابالغ کا پانی اگر کسی کے مملوک پانی میں مل جائے گا تو اُس کا استعمال بھی حرام ہوجائے گا حتی کہ اُس مالک آب کو۔

دوازدہم: ایک یا دونوں طرف کچھ پانی کی خصوصیت نہیں بلاکلہ کسی کے[5] مملوک پانی میں بچے کی مِلک کا عرق یا دودھ یا کسی کے مملوک عرق یا دُودھ میں بچّے کی ملک کا پانی یا چاول میں چاول گیہوں میں گیہوں مل جائیں

جب بھی یہی حکم ہے کہ اس میں تصرف خود مالک کو بھی حرام ہوگیا تو مسئلہ کی تصویر (۱) یوں ہونی چاہئے کہ اگر کسی شے مباح یا مملوک میں کسی غیر مکلّف کی مِلک اس طرح خلط ہو جائے کہ تمیز ناممکن ہو اگرچہ یونہی کہ مثلاً مباح غیر مملوک پانی سے صبی یا معتوہ حر غیر اجیر نے بھرا اور اگر وہ کنواں ہے تو اُس سے بھر کر باہر نکال لیا اور اگر اجیر ہے تو نہ وقت معین نہ وہ مباح معین نہ یہ مستاجر کیلئے لینے کا مقر نہ اُس کے ظرف میں لیا پھر ان صورتوں میں اُس کا کوئی حصّہ اُس میں کسی نے ڈال دیا یا پڑ گیا تو جب تک اُس غیر مکلّف کی مِلک اُس مباح یا مملوک میں باقی ہے اور وہ غیر مکلّف ہے اور مِلک اُس سے منتقل نہ ہو گئی اُس وقت اُس غیر مکلّف یا بحال حاجت خواہ ایک روایت پر پانی میں مطلقاً اُس کے ماں باپ کے سوا کسی کو اُس میں تصرف حلال نہیں۔

سیز دہم: حدیث العبد والامة ردہ ش بان العبد لایملك وان ملك فیكون لمالكه لانه مالك اكسابه[61] اھ۔	**سیز دہم:** غلام اور باندی کے مسئلہ کو "ش" نے یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ غلام پانی کا مالک نہیں بنے گا اور اگر مالک ہوگا بھی تو وہ پانی اُس کے مالک کی ملکیت میں آجائے گا کیونکہ اس کی تمام کمائی کا مالک اُس کا مالک ہی ہے۔ (ت)
اقول: (۲) ماکانوا لیذهلوا عن مثل هذا وانما القصد ابانة الفرق بین الحر العاقل البالغ وبین الصبی والمعتوه والرقیق فان الاول اذا ملأ ملك فاذا صب اباح وهؤلاء لایملكون الاباحة فلا یحل بصبهم ولیس المراد تأبید التحریم بل الی ان تلحق الاجازة ممن هی له ففی الصبی اوالمعتوه حتی یبلغ او یعقل فیجیز وفی (۳) الرقیق حتی یجیز المالك المكلف الحاضر حالا اومالا او یبلغ الغائب او یبلغ الصبی او یفیق المعتوه فیجیزوا۔	**میں کہتا ہوں** فقہاء سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ اتنی معمولی سی بات اُن کے ذہن میں نہ آئی ہو، دراصل ان کا مقصود آزاد عاقل بالغ اور بچہ، بیوقوف اور غلام کے درمیان فرق کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ آزاد شخص جب پانی بھرے گا تو مالک ہو جائے گا اور جب بہائے گا تو مباح کردے گا، اور یہ لوگ اباحت کا حق نہیں رکھتے ہیں، لہٰذا پانی ان کے انڈیل دینے سے مباح نہ ہوگا اور مراد یہ نہیں کہ حرمت ہمیشہ رہے گی، بلکہ یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کا مالک اجازت نہ دے دے، چنانچہ بچہ اور بیوقوف کی صورت میں بلوغ یا عقل کی درستی کے بعد اجازت دینے سے اس کا پینا حلال ہو جائے گا اور غلام کی صورت میں اس کے آقا کی اجازت سے جو مکلّف حاضر ہو

[61] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

چاردہم: عدش من اشکالاته انه لویبین متی یحل الشرب منه [62] اھ۔(۱)واشرت الی جوابه بقولی مابقی فیه ذلك الماء لان المنع لاجله فاذا ذهب ذهب۔	فی الحال یا فی المآل، یا غائب پہنچ جائے یا بچہ بالغ ہو جائے یا بیو قوف عاقل ہو جائے، اور وہ اجازت دے دیں۔(ت) **چہاردہم:** "ش" نے اس پر یہ اشکال محسوس کیا ہے کہ انہوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ اس کا پینا کب حلال ہوگا اھ۔ میں نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک اس میں یہ پانی باقی ہے کیونکہ حرمت اسی کی وجہ سے ہے جب یہ ختم ہوجائے گا تو حرمت بھی ختم ہوجائے گی۔(ت)
پانزدہم: قال وهی ثم فرق بین الحوض الجاری اومافی حکمه وبین غیره [63] اھ۔	**پندرھواں**، کیا حوض جاری اور جو اس کے حکم میں ہے اس میں اور دوسرے پانیوں میں اس سلسلہ میں فرق ہے؟(ت)
اقول:(۲)تعبیرهم بالحوض(۳)ظاهر فی رکوده فان الجاری یسمی نهرا لاحوضا(۴)والاطلاق یشمل الصغیر والکبیر وهو الوجه فان الماء الجاری یذهب ذلك الماء یقینا فیزول السبب ولاکذلك الراکد۔	**میں کہتا ہوں** فقہاء کا حوض سے تعبیر کرنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اُن کی مراد ٹھہرا ہوا پانی ہے کیونکہ جاری پانی کو نہر کہا جاتا ہے حوض نہیں کہتے ہیں اور اطلاق چھوٹے بڑے دونوں کو شامل ہے اور یہی معقول وجہ ہے کیونکہ جاری پانی اِس پانی کو جو پھینکا گیا ہے بہالے جائے گا، تو سببِ حُرمت زائل ہوجائے گا اور ٹھہرے ہوئے پانی کی یہ صورت نہیں۔(ت)
شانزدہم: قال وینبغی ان یعتبر غلبة الظن بانه لم یبق مما اریق فیه شیئ منه بسبب الجریان اوالنزح و الا یلزم هجر الحوض وعدم الانتفاع به اصلا [64] اھ۔	**سولھواں:** فرمایا غلبہ ظن کا اعتبار بھی کیا جانا چاہئے یعنی یہ کہ پانی کے جاری رہنے یا اُس میں سے پانی کے نکالے جانے کے باعث جو پانی کہ اس میں ڈالا گیا تھا اُس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا، ورنہ تو پھر حوض کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خیر باد کہنا پڑے گا۔(ت)

[62] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[63] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[64] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

میں کہتا ہوں، جب اس حوض کا پانی نکل جائے تو پھر جواز میں کوئی شک نہیں لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ آیا اُس تمام پانی کا نکال دینا جائز ہے؟ اس میں اشکال یہ ہے کہ نکال کر اگریوں ہی بہا دیا جائے تو بچہ کا مال ضائع ہو جائے گا اور کسی باغ یا کھیت وغیرہ کو لگا دیا جائے تو اُس سے نفع حاصل کرنا لازم آئے گا، اسی طرح جاری کرکے بہا دینا بھی درست نہیں اور اگر اس سے یہ تمام کام کرنا جائز ہیں تو شروع ہی سے اس کا پینا اور اس کو استعمال کرنا کیوں جائز نہیں، اُس میں اس سے زیادہ کیا حرج تھا؟ ہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ بارش یا سیلاب کی وجہ سے حوض کا پانی بہہ نکلا تو وہ بلاحرج حلال ہو جائے گا۔ (ت) **سترھواں:** فرمایا یہ ممکن ہے کہ نجاست کا اعتبار کیا جائے، تو کنویں سے پانی نکال کر پینا جائز ہوگا، اور کنویں کے علاوہ دوسری چیزوں سے اُس پانی کے جاری ہونے کی وجہ سے پینا جائز ہو جائے گا، گویا اگر اس میں نجاست بھی ہوتی تو اس کی طہارت کا حکم دیا جاتا، فلیتامل اھ۔ (ت) **میں کہتا ہوں،** اس پر جو اعتراض ہے وہ معلوم ہو چکا ہے، اور کل پانی کا نجاست کی صورت میں نکالنا برخلاف قیاس ہے تو اس پر آگے قیاس کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور غالبًا انہوں نے ان ابحاث کی طرف فلیتأمل سے اشارہ کیا ہے (ت) **ہیجدہم:** (۶) سب سے زیادہ اہم اس کا علاج ہے کہ یہ پانی قابلِ استعمال کیونکر ہو سید طحطاوی نے تو اتنا فرمایا کہ اس میں حرج عظیم ہے سید شامی نے جو علاج بتائے دفع اثم کو کافی نہیں ہوتا،	**اقول:** (۱) لاینبغی الشك فی الجواز بعد النزح لما سیاتی انما الشأن فی جواز النزح (۲) وکیف یحل مع ان فیه اضاعة ملك الصبی ان صب فی الارض اولانتفاع به ان سقی به نحو زرع اوبستان وکذلك الاجراء وان ابیح ذلك الاٰن فلم لایباح الشرب والاستعمال من رأس اذلیس فیه فوق هذا بأس نعم (۳) ان جری بمطر اوسیل فذلك حل من دون اثم۔ **ہفدہم:** قال ویمکن ان یعتبر بالنجاسة فیحل الشرب من نحو البئر بالنزح ومن غیرها بالجریان بحیث لوکان نجاسة لحکم بطهارتها فلیتامل[65] اھ۔ **اقول:** (۴) عرفت مافیه (۵) والنزح فی النجاسة معدول به عن سنن القیاس فکیف یعتبر به وکأنه رحمه الله تعالٰی الی هذه الابحاث اشار بقوله فلیتأمل۔

[65] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

واشار سیدی العارف باللہ عبدالغنی النابلسی قدس سرہ، فی الحدیقة الی ان تفریجه باذن الولی حیث قال فی النوع العشرین من اٰفات اللسان بعد مانقل المسألة عن الاشباہ وعللها بما قدمنا مانصه وظاهرہ الا ان یاذن الولی قال ونظیرہ عدم حل الشرب من کیزان الصبیان الاباذن الولی وکذلك فی اکل مامعهم اذا اعطوہ لاحد[66]اھ۔فلاوجه لصحته ولا باذن الولی وھذا من الثالث و وجه ھذا السهو منه رحمه اللہ تعالٰی قول الماتن فی الطریقة المحمدیة حیث ذکر السؤال المنهی عنه

اقول: رحم اللہ سیدی ورحمنا به(۱)انما الولایة نظریة ولیس للولی اتلاف ماله ولا ان یاذن به غیرہ(۲)کیف وقد تقرر ان التصرفات ثلاثة نفع محض کقبول هبة فیستبدبه الصبی العاقل ودائر بین النفع والضرر کالبیع والشراء فیحتاج الی اذن الولی وضرر محض کالطلاق والعتاق والهبة ثم(۳)قال(حرمة السؤال لاتقتصر علی المال بل تعم الاستخدام خصوصاً اذا کان صبیاً اومملوکا للغیر۔(۴)اماصبی نفسه

عارف باللہ سید عبدالغنی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا حل یہ ہے کہ اگر ولی اجازت دے تو جائز ہے یہ بات انہوں نے آفات اللسان کی بیسویں نوع میں اس مسئلہ کو اشباہ سے نقل کرنے اور اس کو علّت بیان کرنے کے بعد کہی ہے جس کی عبارت ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ "مگر یہ کہ ولی اجازت دے دے" اور اس کی مثال یہ ہے کہ بچوں کے کوزوں سے پانی پینا ولی کی اجازت ہی سے جائز ہے،اور اسی طرح دوسری کھانے والی اشیاء کا حال ہے بچّے جب وہ کسی کو دیں۔(ت)

میں کہتا ہوں اللہ عبدالغنی پر رحم کرے اور ہم پر بھی ولی کی ولایت صرف نظری(بچہ کی بھلائی کیلئے) ہے ولی بچہ کا مال تلف نہیں کرسکتا ہے اور نہ دوسروں کو دے سکتا ہے،یہ بات طے شدہ ہے کہ تصرفات تین قسم کے ہیں نفع محض جیسے بچّہ کا ہبہ کا قبول کرنا،عاقل بچہ بذاتِ خود ہبہ قبول کرسکتا ہے اور ایک وہ جس میں نفع کا بھی احتمال ہے اور نقصان کا بھی۔جیسے خرید وفروخت اس میں ولی کی اجازت ضروری ہوگی اور سراسر نقصان والی بات، جیسے طلاق،آزاد کرنا اور ہبہ کرنا،تو اس کی صحت کی کوئی صورت نہیں،ولی کی اجازت سے بھی نہیں،اور یہ تیسری قسم ہی میں شامل ہے،اُن کو یہ سہو اس لئے لاحق ہوا کہ ماتن نے طریقہ محمدیہ میں منہی عنہ کے سوال کا ذکر کیا ہے۔پھر یہ لفظ کہے ہیں "حرمة السؤال لاتقتصر علی المال الخ سوال جو بے ضرورت شرعیہ حرام ہے یہ صرف مال

[66] حدیقہ ندیہ النواع العشرون من افات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۶۹

فیجوز)للاب والام والجد والجدة(استخدامه ان کان)المستخدم(فقیرا)لاقدرة له علی شراء خادم اواستئجارہ(اواراد تهزیبه وتأدیبه بخلاف عــه استخدام مملوکه واجیرہ(۱) وزوجته فی مصالح البیت وتلمیذہ)فی تعلیم قرآن اوعلم اوصنعة(باذنه)یعنی برضاہ(ان کان بالغا اوباذن ولیه ان کان صبیا)فان الصبی محجور علیه من التصرف فی ماله فی منافع نفسه الا باذن الولی [68]اھ۔ملتقطا.مزیدا من شرحة رحمه الله تعالٰی(۲)فالاذن الذی ذکرہ الماتن فی استخدامه عداہ الی ماله وشتان ماهما فان فی الاول نفعه من تأدیبه وتهذیبه مع ضرر استعماله فکان من القسم الثانی فجاز باذن الولی بخلاف الثالث(۳)والذی افاد من حل الشرب من کوز الصبی واکل مامعه باذن الولی۔ (ت) [67]	مانگنے پر ہی موقوف نہیں بلالکہ اجنبی سے کسی خدمت کا کہنا بھی حرام سوال میں داخل ہے خصوصًا دوسرے کے نابالغ بچے یا غلام سے۔اگر کسی کا اپنا بچہ ہے تو باپ،ماں،دادا اور دادی کیلئے (اس سے خدمت لینا جائز ہے،اگر)خدمت لینے والا (فقیر ہو) خادم نہ خرید سکا ہو یا کسی کو ملازم نہ رکھ سکتا ہو (یا بچہ کی تہذیب وتربیت کا ارادہ ہو مگر اس شرط میں غلام،مزدور، بیوی سے گھر کا کام کاج کرانا شامل نہیں کہ ان سے بغیر احتیاج کے گھر کا کام لینا جائز ہے اور شاگرد سے خدمت لینا درست ہے مثلًا طالبعلم سے قرآن سکھانے یا کوئی علم سکھانے یا کسی حرفت کے سکھانے کا کام لیا جائے (اس کی مرضی سے،اگر وہ بالغ ہے،ورنہ اس کے ولی کی رضا سے اگر وہ بچّہ ہے) کیونکہ بچہ اپنی منفعت کیلئے بھی اپنے مال میں ولی کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا ہے اھ ملتقطا ہے اور شرح سے اضافہ ہے تو وہ اجازت جس کا ذکر ماتن نے کیا ہے اس کے استخدام ہیں،تو شارح نے اس کو مال تک بڑھا دیا ہے اور دونوں میں بہت فرق ہے، کیونکہ پہلی صورت میں اس کا نفع ہے کہ اس کی تادیب وتہذیب ہے جبکہ اُس سے کام کرانے میں ضرر بھی ہے،تو یہ دوسری قسم میں داخل ہوا،اس لئے ولی کی اجازت سے جائز ہوگا،جبکہ تیسرا ایسا نہیں ہے،اور جس کا انہوں نے فائدہ دیا ہے وہ بچہ کے کُوزہ سے پانی پینے کا جواز ہے یا جو چیز بچّہ کے پاس ہے اس کے کھانے کا جواز ہے ولی کی اجازت سے۔(ت)
عــه: ناظرًا الی قوله اذا کان صبیا اومملوکا للغیر ۱۲ منه غفرله۔(م)	اس کے قول اذا کان صبیا او مملوکا للغیر کی طرف نظر کرتے ہوئے۔(ت)

[67] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من افات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۶۷

[68] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من افات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۶۸

فاقول: (۱) محله اذا کان الماء والطعام للولی اعطاهما الصغیر علی وجه الاباحة دون الهبة فحینئذ یکون للولی ان یاذن لمن شاء فبقائهما علی ملکه بخلاف مااذا کان الشیئ مملوکًا للصغیر فلا معنی اذًا لاذن الولی باستهلاکه من دون عوض وقد تقدمت مسألة الذخیرة والمنیة ومعراج الدرایة فی ماء جاء به الصبی من الوادی لایجوز لابویه الشرب منه الا فقیرین [69]۔	تو میں کہتا ہوں اگر پانی اور کھانا ولی کا ہے اور بطورِ اباحت (نہ بطور ہبہ) اس نے بچہ کو دے رکھا ہے تو ایسی صورت میں ولی کسی کو بھی اجازت دے سکتا ہے، کیونکہ یہ دو چیزیں اب بھی ولی کی ملکیت میں باقی ہیں یہ اُس صورت سے مختلف ہے جبکہ یہ اشیاء بچہ کی ملکیت میں ہوں تو ایسی صورت میں ولی کی اجازت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ولی کی اجازت سے صغیر کے مال کو بغیر عوض ضائع کرنا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں اور ذخیرہ، منیہ اور معراج الدرایہ کا مسئلہ گزر چکا ہے کہ بچّہ وادی سے جو پانی لائے اس کو والدین کے لئے پینا جائز نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ فقیر ہوں۔ (ت)

غرض مسئلہ مشکل ہے اور اس میں ضرور حرج ہے اور حرج مدفوع بالنص ہے۔

وانا اقول: وباللّٰه التوفیق پانی کی مِلک صبی ہوا نجس نہیں کہ اُس کے گرنے سے اور پانی ناپاک ہوجائے حرمت اس وجہ سے ہے کہ مباح ومحظور مختلط ہوگئے ہیں یہاں تک کہ اگر ممکن ہو کہ مباح استعمال کیا جائے اور اس میں کوئی حصہ محظور کا نہ آنے پائے تو بلاشبہ جواز ہوگا اور ہم نے رحب الساحہ جواب سوال سوم میں بیان کیا ہے کہ مشائخ عراق کے نزدیک حوض کبیر میں نجاست غیر مرئیہ کے موقع وقوع سے وضو جائز نہیں کہ پانی ٹھہرا ہوا ہے منتقل نہ ہوگی اور مشائخ بلخ وبخارا اور ماوراء النہر کے نزدیک سب جگہ سے جائز کہ پانی بالطبع سیال ہے ہواؤں وغیرہا کی تحریک سے اُسے ایک جگہ نہ رہنے دے گا تو جہاں کہیں وضو کیا جائے وہاں نجاست ہونے کا یقین نہیں اگرچہ خاص موقع وقوع سے ہو تو پانی کہ بالیقین طاہر تھا شک سے نجس نہ ہوگا اب یہاں اگر قول عراقیاں لیا جائے جب تو خاص اُسی جگہ کا پانی ممنوع الاستعمال ہوگا جہاں نابالغ کی مِلک کا پانی گرا ہے باقی اپنی اباحت پر باقی ہے **لما علمت انه لاتعدیة فیه فکان کغیر مرئیة فی حوض کبیر** (جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس میں تجاوز نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا حوضِ کبیر میں نجاست غیر مرئیہ ہو) (ت) اور اگر قول جمہور لیا جائے اور وہی صحیح ہے تو بوجہ احتمال انتقال اختلاط مِلک صبی کا یقین کسی موضع معین میں نہیں بلاکہ موضع مجہول ومبہم میں ہے اور ایسے [۲] یقین پر جب اُس شے کے بقا وزوال میں شک طاری ہو یقین زائل اور حکم اصل حاصل ہوتا ہے جیسے دائین [۳] چلانے میں بیل ضرور پیشاب کرتے اور اناج کا ایک حصہ یقیناً ناپاک ہوتا ہے مگر متعین نہ رہا

[69] ردالمحتار بالمعنی باب الشرب البابی مصر ۵/ ۳۱۲

تو بعد تقسیم یا اُس سے کُچھ ہبہ یا صدقہ کرنے سے سب پاک ہو جائے گا کہ ہر ایک کہے گا ممکن کہ ناپاک دانے دوسرے حصے میں رہے یا گئے ہوں، یوں ہی (۱) چادر پر ناپاکی کی یقین ہے اور جگہ معلوم نہیں یا یاد نہ رہی اور تحری کسی طرف نہیں پڑی کہیں سے پاک کر لی جائے پاک ہو جائے گی کہ اب اس متیقن مبہم کی بقا میں شک ہو گیا اور سب (۲) سے زائد وہ مسئلہ ہے کہ محررِ مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیر کبیر میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اتنا معلوم ہے کہ اس میں ایک ذمی ہے مگر اُسے پہچانتے نہیں اُن کفار کا قتل حرام ہے ہاں اگر اُن میں سے بعض نکل جائیں یا کوئی قتل کردے تو اب باقیوں کا قتل جائز ہو گیا کہ وہ یقین مجہول اس شک سے زائل ہو گیا۔

وقد حققه العلامة ابراهيم الحلبي في الغنية فأفاد واجاد* عليه رحمة الجواد* فراجعه فانه من اهم مايستفاد* ويكفينا منه هنا قوله تنجس طرف من الثوب فنسيه فغسل طرفا منه بتحر او بلا تحر طهر لان بغسل بعضه مع ان الاصل طهارة الثوب وقع الشك في قيام النجاسة لاحتمال كون المغسول محلها فلا يقضى بالنجاسة بالشك كذا اورده الاسبيجابي في شرح الجامع الكبير قال وسمعت الشيخ الامام تاج الدين احمد بن عبدالعزيز بقوله ويقيسه على مسألة في السير الكبير هي اذا فتحنا حصنا وفيهم ذمي لايعرف لايجوز قتلهم لقيام المانع بيقين فلوقتل البعض اواخرج حل قتل الباقي للشك في قيام المحرم كذا هنا۔[70]	اس کی تحقیق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں بہت اعلٰی اور مفید طریق پر کی ہے جس کو دیکھنا ہو وہاں ملاحظہ کرے، یہاں اس کی صرف یہ عبارت نقل کرنا کافی ہوگی "اگر کپڑے کا ایک کنارہ ناپاک ہو گیا مگر بھُول گیا کہ کون سا کنارہ ہے تو تحرّی کرکے یا بلا تحرّی ایک کنارہ دھولیا تو کپڑا پاک ہو جائے گا" کیونکہ کپڑے میں اصل طہارت ہے اور جب ایک کنارہ دھولیا تو اب نجاست کے ہونے میں شک ہو گیا، کیونکہ جو حصہ دھویا گیا ہے اس میں امکان ہے کہ وہی ہو جو نجس تھا، تو شک کی بنیاد پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسبیجابی نے شرح جامع کبیر میں ایسا ہی لکھا ہے، فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ تاج الدین احمد بن عبدالعزیز کو فرماتے ہوئے سنا وہ اس کو سِیر کبیر کے اس مسئلہ پر قیاس کرتے تھے کہ اگر ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں ایک ذمی ہے مگر معلوم نہیں کہ کون ہے، تو اس قلعہ کے لوگوں کا قتل جائز نہیں، کیونکہ یقین کرنے کا مانع موجود ہے، اور اگر بعض کو قتل کردیا گیا یا نکال دیا گیا تو باقی کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ محُرِّم کی موجودگی میں شک ہے۔ (ت)

70 غنیۃ المستملی فروع من النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴

جب یہ قاعدہ نفیسہ معلوم ہولیا یہاں بھی اُس کا اجرا کریں جتنا(ا) پانی اُس نابالغ نے ڈالا ہے اسی قدر یا اُس سے زائد اُس حوض یا کنویں سے عـــہ۱ نکال کر اُس نابالغ عـــہ۲ کو دے دیں یہ دینا یقینا جائز ہوگا کہ اگر اِس میں مِلک صبی ہے تو صبی ہی کے پاس جات ہے۔ بخلاف بہا دینے یا ڈول کھینچ کر پھینک دینے کے کہ وہ مِلک صبی کا ضائع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں اب کہ اُس قدر یا زائد پانی اُس صبی کو پہنچ گیا اُس کے ڈالے ہوئے پانی کا باقی رہنا مشکوک ہوگیا تو وہ یقین کہ موضع مجہول کیلئے تھا زائل ہوگیا اور حوض وچاہ کا باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا۔

ثم اقول: اس پر واضح دلیل مثلیات ۲ مشترکہ مثلاً گیہوں وغیرہ میں وارث کبیر کا اپنا حصہ وارث نابالغ کے حصے سے جدا کر لینے کا جواز ہے اور اس کی یہ تقسیم جائز ومقبول رہے گی اگر نابالغ کا حصہ اُس کیلئے سلامت رہے تلف نہ ہوجائے جامع الفصولین میں فتاوٰی اور جامع الصغار میں ذخیرہ سے ہے:

کیلی او وزنی بین حاضر وغائب اوبین بالغ وصبی اخذ الحاضر اوالبالغ نصیبه فانما تنفذ قسمته بلاخصم لوسلم نصیب الغائب والصبی حتی لوهلك مابقی قبل ان یصل الی الغائب اوالصبی هلك علیهما [71]۔	کوئی مکیل یا موزوں شے حاضر وغائب کے درمیان یا بالغ اور بچّے کے درمیان مشترک ہے تو حاضر یا بالغ نے اپنا حصّہ لے لیا اور اس کی تقسیم بلا خصم نافذ ہوجائے گی بشرطیکہ غائب اور بچہ کا حصہ باقی رہا اور اگر غائب اور بچہ تک پہنچنے سے قبل ہی وہ حصہ ہلاک ہوگیا تو ان کا حصہ ہی ہلاک ہوگا۔(ت)

عـــہ۱: اگر کہیے مائے مباح سے جو لے گا مالک ہوگا تو یہ پانی کہ کوئی شخص کنویں یا مباح حوض سے بھر کر نابالغ کو دے گا اپنی ملک دے گا اور ایک شے پر دو مِلکیں جمع نہیں ہوسکتیں تو یہ پانی مِلک صبی نہ تھا پھر اس کے نکلنے سے مِلک صبی کا نکل جانا کیونکر محتمل ہوا۔

اقول: جبکہ اس پانی میں مِلک صبی مخلوط ہے تو اب مائے مباح نہیں مائے محظور ہے بھرنے والا اس کا مالک نہ ہوگا جو بھرا محتمل ہے کہ وہی مائے مملوک صبی ہو یا مائے مباح کا حصہ اول پر بھرنے والا اُس کا مالک نہیں ہوسکتا ہے اور دوم ہے تو ہوگا اور مِلک شک واحتمال سے ثابت نہیں ہوسکتی لہٰذا وہ احتمال قائم رہا کہ یہ وہی پانی ہے جو ملک صبی تھا ۱۲منہ غفرلہ (م)

عـــہ۲: **اقول:** بلاکہ اگر خود نابالغ نے دوبارہ اُتنا یا اُس سے زائد پانی اُس میں سے بھر لیا تو اب بھی رفع مانع ہوجانا چاہئے کہ اگرچہ نابالغ کیلئے پانی ممنوع نہیں جیسا کہ تنبیہ پنجم میں گزرا اور وہ جو دوبارہ بھرے گا ضرور اس کا مالک ہوگا مگر یہ اُس احتمال کا مانع نہیں کہ اس بار وہی پانی آیا جو اس نے پہلے ڈال دیا تھا اور یہی احتمال رفع منع کو بس ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ غفرلہ (م)

[71] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۰

ظاہر ہے کہ یہاں بھی مِلک صبی ایسی ہی مختلط تھی کہ جُدا کرنا ممکن نہ تھا اور بالغ کو اس میں تصرف ناروا تھا بقدر حصہ صبی اُس میں سے الگ کر دینا حصہ صبی کا جدا ہو جانا اور بالغ کے لئے جواز تصرف کا سبب ہوا۔

اقول: اور اس میں شک نہیں کہ پانی مثلی ہے یعنی اس لئے کہ اُس کے اجزاء میں تفاوت نہیں، اور بہت سے مشائخ نے اسی پر جزم کیا ہے، جیسا کہ خیریہ (احیاء الموات) اور ولوالجیہ میں ہے اور بہت سی کتب میں ہے، اگر کسی شخص نے مٹکے کا پانی گرا دیا تو اس سے کہا جائے گا کہ مٹکا بھرے کیونکہ مٹکے کا مالک پانی کا بھی مالک تھا، اور پانی مثلی اشیاء میں سے ہے تو وہ اس کے مثل کا ضامن ہوگا اھ اگرچہ وہ قیمت والی چیز ہے، اس لئے کہ وہ نہ مکیل ہے اور نہ ہی موزون ہے جیسا کہ خیریہ کی بیوع میں جامع الفصولین سے، فوائد صاحب المحیط سے اور فتاوٰی رشید الدین میں ہے کہ پانی ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک قیمت والی چیز ہے اور اس میں مختلفات ابی القاسم العامری سے ابو یوسف سے ابو حنیفہ سے ہے کہ پانی نہ کیلی ہے نہ وزنی ہے۔ طحاوی نے فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ پانی کا بعض، بعض سے بیچا نہیں جاتا ہے اور محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ پانی کیلی ہے اھ خلاصہ یہ کہ پانی کو الگ کیا جا سکتا ہے جیسے مٹکے میں، بلکہ زیادہ ہے کیونکہ بسا اوقات کھانے کی ایک ہی چیز کے دانوں میں فرق ہوتا ہے لیکن پانی کے قطرات میں نہیں ہوتا۔ (ت)	**اقول:** (۱) ولاشك ان الماء مثلی بمعنی ان اجزاءه لاتتفاوت وبه جزم کثیرون کما فی الخیریة من احیاء الموات فی الولوالجیة وکثیر من الکتب لوصب ماء رجل کان فی الحب یقال له املأ الماء فان صاحب الحب مالك للماء وھو من ذوات الامثال فیضمن مثله [72] اھ وان کان قیمیا لانه لایکال ولایوزن کما فی الخیریة من البیوع عن جامع الفصولین عن فوائد صاحب المحیط وفتاوٰی رشید الدین الماء قیمی عند ابی حنیفة وابی یوسف رضی الله تعالٰی عنهما وفیه عن مختلفات القاضی ابی القاسم العامری عن ابی یوسف عن ابی حنیفة الماء لایکال ولا یوزن قال الطحاوی معناه لایباع بعضه ببعض وعن محمد رحمه الله تعالٰی الماء مکیل [73] اھ وبالجملة لاشك انه یقبل الافراز کالحب بل ابلغ فربما تتفاوت قلیلا حبات طعام واحد بخلاف قطرات ماء واحد۔

[72] فتاوٰی خیریۃ فصل فی الشرب بیروت ۲/ ۱۸۶

[73] فتاوٰی خیریۃ کتاب البیوع بیروت ۱/ ۲۲۸

ثم اقول: یہ طریقہ اثم سے بچنے کو ہے اور اگر بغیر اس کے کوئی شخص نادانستہ یا دیدہ ودانستہ براہِ جہالت خواہ بے پرواہی احکامِ شریعت اُس میں سے اُتنا پانی یا اُس سے زاید بھر کرلے گیا تو اگرچہ وہ گنہگار ہو باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا کہ اُتنا نکل جانے سے حوض وچاہ میں اُس کی بقا پر یقین نہ رہا کما قال محمد لایجوز قتلھم فلوقتل البعض حل قتل الباقی [74] (جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں ان کا قتل جائز نہیں اگر بعض قتل ہوجائیں تو باقی کا قتل جائز ہوگا۔ت)

تنبیہ اقول: یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جریان[1] نہ ضرور نہ کافی اگر صبی[2] کا پانی اتنا قلیل تھا کہ چھلکنے میں نکل سکتا ہے تو جریان کی حاجت نہیں۔اور اگر اتنا کثیر تھا کہ جتنے خروج پر جریان صادق آتا ہے اس میں نہ نکلے گا تو یہ جریان کافی نہیں جب تک اُس قدر نکل نہ جائے۔

اقول: (۳) وبه فارق النجاسة لان زوال وصفها وحصول ضدها بالجریان لمعنی فیه وهوانه لایقبل النجاسة بحکم النص وما قام به طهر بعضه بعضا ولایلزم منه حل الانتفاع بملك الصبی فلا بد من خروج قدر المصبوب،هذا ماظهر لی وقد انکشفت به الغمة علی احسن وجه مطلوب،والحمد لله سبحنه کاشف الکروب،والصلوٰة والسلام علی اکرم محبوب،وعلی اٰله وصحبه هداة القلوب،اٰمین۔	**میں کہتا ہوں** اور اسی وجہ سے نجاست سے دور ہوگیا،کیونکہ نجاست کے وصف کا زائل ہونا اور جاری ہونے کی وجہ سے اسکی ضد کا حاصل ہونا ایک معنی سے ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ وصف یعنی جریان نجاست کو قبول نہیں کرتا ہے،کیونکہ نص میں یہی ہے،اور جو اس کے ساتھ قائم ہے اس کے بعض نے بعض کو پاک کردیا ہے،اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ بچہ کی ملک سے نفع حاصل کرنا جائز ہو،تو جتنا بہا ہے اُس کی مقدار میں نکلنا ضروری ہے،یہ بحث وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی،اور اس سے عمدہ طور پر پریشانیاں دُور ہوگئیں۔اللہ تعالٰی کیلئے حمد ہے جو مصیبتوں کو دُور کرنے والا ہے اور اس کے محبوب ترین اور اس کی آل وصحابہ پر صلوٰۃ وسلام۔آمین(ت)

(۳) نمبر ۳۲ سے یہاں تک نابالغ کے پانی کا بیان جس تفصیل وتحقیق سے ہوا کتابوں میں اُس چند سطروں سے زائد نہ ملے گا۔ممکن ہے کہ اسے رسالہ مستقلہ کیجئے اور عطاء النبی لافاضة احکام ماء الصبی ۱۳۳۴ھ نام رکھئے،ولله الحمد۔رسالہ ضمنیہ عطاء النبی لافاضة احکام ماء الصبی تمام ہوا۔

---

[74] غنیۃ المستملی فروع من النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴